یا اللہ مدد | حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت وطریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدث عرب وعجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید شیخ العرب والعجم حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب حفظہ اللہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

اعلان بسلسلہ سوانح حضرت گمانوی صاحب رحمہ اللہ

جامعہ انوریہ حبیبیہ طاہر والی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حاجی احمد صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۲۴ر اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز پیر) کی سوانح حیات مرتب کی جارہی ہے۔ حضرت کے تلامذہ، عقیدت مندوں، متوسلین، محبین، معتقدین اور دیگر اہل علم و قلم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ حضرت رحمہ اللہ کے حالات و واقعات اور سیرت و کردار کے حوالے سے اپنے تاثرات وخیالات قلم بند فرما کر قلمی تعاون فرمائیں۔ نیز اپنی تحریرات یکم مارچ ۲۰۱۷ء تک ضرور ارسال فرمادیں۔

نیز حضرت رحمہ اللہ کی کوئی تقریر، تحریر، ملفوظ، نصیحت آموز تراشہ یا واقعہ کسی صاحب کے پاس ہو یا علم ہو باحوالہ ارسال فرمادیں۔ بھیجنے والے کے شکریہ کے ساتھ کتاب کا حصہ بنایا جائے گا۔ ان شاء اللہ

رابطہ: مولانا خلیل الرحمٰن 0302-9326733

حافظ محمد عمران 0301-7334278

پیامِ صفدر

احسن خدامی

حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ......جنید جمشیدؒ......حرمین کی باتیں

غالباً دو ہزار نو یا دس کی بات ہوگی جب بندہ کو پہلی مرتبہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی۔ بندہ شعبان کی چھٹیوں میں کسی کام کے سلسلے میں دو تین دن کے لیے کراچی گیا ہوا تھا، حضرت رحمہ اللہ کی زیارت کے شوق میں کسی سے راستہ پوچھ کر جامعہ فاروقیہ حاضر ہوا تو فاروقیہ کے دروازے پر بندہ کے ظاہر پیر کے ہم سبق مولانا زبیر عزیز صاحب سے ملاقات ہوگئی جو فاروقیہ کے طالب علم رہ چکے تھے اور اب اپنی مادر علمی کی زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اس اچانک ملاقات سے بڑی خوشی ہوئی اور ساتھ ہی اجنبیت کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کیونکہ پہلی بار کراچی آنا ہوا تھا اور وہاں کوئی جان پہچان اور واقفیت نہیں تھی۔ ان کی وساطت سے بحمد اللہ شیخ سے کچھ دیر کی ملاقات ہوئی، بندہ عجیب کیف محسوس کر رہا تھا کہ جس شخصیت کو شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، ان کی زیارت اور ان کی مجلس میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں...... بھائی زبیر نے آگے ہو کر دادا جان اور نانا جان رحمہم اللہ کے حوالے سے تعارف بھی کروا دیا تو ان کی شفقت اور بڑھ گئی، یہ شفقت شیخ کی ان دونوں بزرگوں سے فی اللہ محبت کا مظہر تھی، کچھ دیر تک شفقت آمیز گفتگو جاری رہی اور پھر ان کی مصروفیت اور علالت کا خیال کر کے اجازت لے کر رخصت چاہی اور یوں یہ مختصر ملاقات اختتام کو پہنچی۔ ان کی شخصیت سنجیدہ اور پر وقار تھی، پاس بیٹھنے والا محبت کے ساتھ ہیبت کی کیفیت محسوس کرتا تھا، گفتگو نصیحت آمیز تھی، اسلاف کرام رحمہم اللہ سے جڑے رہنے کی خاص نصیحت اور تاکید فرماتے تھے۔

جد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی وفات پر برادرم حمزہ احسانی نے خاص نمبر شائع کیا تو شیخ نے اس خاص نمبر کی مجموعی پسندیدگی کے علاوہ بندہ اور برادرم حمزہ کے مضمون کو بھی خاص طور پر پسند فرمایا اور مختلف لوگوں کے سامنے اس پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اپنے مضمون کے بارے میں شیخ کی پسندیدگی پر بندہ کو مسرت کے ساتھ ساتھ تعجب بھی ہوا کہ اتنی بڑی اور مصروف شخصیت نے تفصیل کے ساتھ اس خاص نمبر کا مطالعہ بھی فرمایا اور پھر ایک غیر معروف اور نو عمر لکھاری کے مضمون کو پسند فرما کر اس پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا، اس سے شیخ کی تواضع اور خورد نوازی کا اندازہ ہوا۔ وہ مضمون علمی یا ادبی اعتبار سے ہرگز کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا جس کی وجہ سے شیخ جیسی عبقری شخصیت اس کی تعریف فرماتی، اس مضمون میں اگر کوئی خوبی تھی تو بس یہی تھی کہ اس میں اپنے اکابر و اسلاف رحمہم اللہ کے ساتھ جڑے رہنے کا پیغام دینے کی کوشش کی گئی تھی اور

ان کے راستے سے ہٹ جانے والوں کے لیے درِ دل کا ٹوٹا پھوٹا اظہار تھا، یہی درد، یہی جلن، یہی کڑھن اور یہی فکر شیخ کے سینہ میں بھی موجود تھی اور ان کے دل کو سلگا رہی تھی، اسی درد کو اس مضمون میں پا کر انہوں نے اس کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ورنہ درحقیقت علمی یا ادبی اعتبار سے وہ مضمون کسی معمولی اہمیت کا حامل بھی نہیں تھا کجا کہ شیخ جیسی شخصیت کی پسندیدگی کا مستحق ٹھہرتا۔ غالباً اسی خاص نمبر، اس کی تحریرات اور اس کے اسلاف کی اتباع کے دوٹوک پیغام کی وجہ سے شیخ کو ہم سے اتنا قلبی تعلق اور حسنِ ظن ہوا کہ بسا اوقات بعض مسلکی معاملات میں خط ارسال فرما کر ہم سے مشورہ فرمانے لگے، ان کی تواضع، حسنِ ظن اور خوردنوازی پر تعجب بھی ہوتا اور جب وہ کوئی مشورہ طلب فرماتے تو حسب حکم جوبات درست معلوم ہوتی عرض کر دی جاتی۔

اوپر جس ملاقات کا حال بتایا گیا ہے اس کے بعد دو مرتبہ پھر شیخ سے ملاقات نصیب ہوئی، ایک مرتبہ برادرم حمزہ کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضری ہوئی جب وہ کراچی میں زیرِ تعلیم تھے، ہم دونوں بھائی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ کی شفقتوں اور محبتوں سے مالا مال ہو کر لوٹے۔ اس کے بعد گذشتہ رمضان میں بندہ تین چار دن کے لیے کراچی گیا تو اکابر علماء و مشائخ کی زیارت کا شوق ہوا، استاد گرامی مولانا منظور نعمانی صاحب مدظلہ دورۂ تفسیر کے لیے کراچی تشریف لائے ہوئے تھے، ان کو فون کر کے حاضری کی اجازت چاہی تو استاد جی نے فرمایا کہ میں مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے ملاقات کے لیے فاروقیہ جا رہا ہوں، تم بھی وہیں آ جاؤ! یہ سن کر ایک ساتھی سے موٹر سائیکل پکڑا اور خوشی خوشی فاروقیہ روانہ ہو گیا۔ استاد جی نعمانی صاحب اور جناب مفتی ابولبابہ صاحب کی معیت میں شیخ سے ملاقات نصیب ہوئی، کافی دیر تک یہ مبارک محفل جاری رہی، شیخ کی جسمانی علالت کے باوجود ذہنی تیقظ اور حالات حاضرہ سے آگہی پر رشک آیا۔ یہ ان کے ساتھ اس فانی دنیا میں آخری ملاقات تھی اور اللہ جل شانہ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ جل شانہ جنت میں بھی ان سے ملاقات نصیب فرمائیں گے، وما ذلک علی اللہ بعزیز......

ان کی تواضع، دینی حمیت، للّٰہیت، سادگی اور حق پرستی وحق گوئی پر ہمیشہ بندہ کو رشک آیا، جو بات درست سمجھتے ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعلان فرماتے اور اس سلسلے میں کسی سے نہ دبتے، جو بات غلط سمجھتے اس پر ٹوکتے چاہے کہنے والا کوئی بھی ہو، زمانے کی ہوا مجموعی طور پر جدت سے کسی نہ کسی درجے میں متاثر ہونے کی وجہ سے ان کے مخالف تھی مگر وہ اس کے باوجود اپنی بات کہہ کر فرض ضرور ادا کر دیتے تھے چاہے کوئی سنے یا نہ سنے اور مانے یا نہ مانے، ان کو کسی کے سننے یا ماننے سے نہیں اپنے رب کو راضی کرنے سے غرض تھی۔ مجلّہ صفدر اور اس کے ناچیز مدیران پر جہاں ان کا شفقت اور اعتماد کا تعلق تھا وہیں جو بات غلط معلوم ہوتی اس پر روک ٹوک بھی فرماتے۔ انتقال سے کچھ ہی عرصہ قبل ہمارے نام ایک خط میں جہاں بعض دینی و مسلکی معاملات میں اُصولی طور پر ہماری تصویب وتائید فرمائی وہیں اندازِ تحریر کی شدت پر تنبیہ بھی فرمائی اور اس سلسلے میں قیمتی

نصائح ارشاد فرمائیں، الحمد للہ ان کی تنبیہ کو ان کی تائید سے زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور نصیحت پر عمل کرنے کا بھی عزم ہوا۔ نیز ان کے اس والا نامے کو مجلّہ میں شائع بھی کر دیا گیا۔ اللہ جل شانہ تا زندگی عمل کی توفیق نصیب فرمائیں اور زندگی کے ہر ہر معاملے میں اتباع سنت کی توفیق نصیب فرمائیں۔ ان کے انتقال کے دردناک حادثہ کے بعد اب یہ تسلیم کیے بنا چارہ نہیں کہ وہ واقعی ہم سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اللہ جل شانہ ان کی حسنات کو قبول فرمائیں، خطاؤں سے درگذر فرمائیں، ان کے درجات کو بلند سے بلند فرمائیں اور پیچھے رہ جانے والوں کو حسنات میں ان کی اتباع نصیب فرمائیں، فتنوں کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے اور ہوا و ہوس کے بندے دھڑا دھڑ اس میں داخل ہو رہے ہیں، اللہ کا خوف، تقویٰ، فتنوں سے بچنے کی فکر اور اسلاف کرام پر اعتماد جیسی چیزیں مفقود ہوتی جا رہی ہیں، ایسے میں ان کا اس دنیا سے اٹھ جانا ایک ایسے شخص کا اٹھ جانا ہے جس کی نظیر دور دور تک دیکھنے سے نظر نہیں آتی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللهم لا تفتنا بعده و لا تحرمنا اجره، آمين يا رب العلمين۔ وصلى الله وسلم على خير خلقه محمد و على آله و اصحابه اجمعين.

جنید جمشید کی شہادت:

چند روز قبل پی آئی اے کا ایک مسافر طیارہ چترال سے اسلام آباد آتے ہوئے حویلیاں کے قریب گر کر تباہ ہو گیا اور اس میں سوار تقریباً سینتالیس (۴۷) افراد شہادت کی موت پا کر واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، حق تعالیٰ شانہ سب کی مغفرت فرمائیں اور لواحقین کو صبر جمیل عطاء فرمائیں۔ یہ جان کر غم اور صدمے میں مزید اضافہ ہوا کہ حادثے کا شکار افراد میں ملک کے معروف نعت خواں جناب جنید جمشید بھی شامل تھے۔ جنید جمشید کسی زمانے میں ایک معروف و مشہور گلوکار تھے، دعوت و تبلیغ کی محنت کی برکت سے ان کی زندگی میں انقلاب آیا، اپنے ہم نام حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی طرح فسق و فجور اور معاصی کی دنیا سے منہ موڑ کر اللہ جل شانہ سے لو لگائی اور اپنی سابقہ زندگی کی تمام رنگینیوں، گانے بجانے اور خوش نمائیوں کو الوداع کہہ کر دعوت و تبلیغ کی محنت ہی کے ہو کر رہ گئے، زندگی میں مختلف اتار چڑھاؤ اور موڑ آتے رہے، ایک مرتبہ سخت ایمانی آزمائش یہ آئی کہ کسی بیان کے دوران ان کی زبان سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ایسے الفاظ صادر ہوئے جو مقام صحابیت سے فروتر اور نامناسب تھے تاہم اللہ جل شانہ کی رحمت نے دستگیری فرمائی، توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور جنید جمشید نے کسی اگر مگر اور قیل وقال کے بغیر علانیہ اپنی جہالت و حماقت کا اعتراف کیا اور روتے ہوئے توبہ کی۔ اعتراف، انابت اور توبہ کی یہ منزلیں بھی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہیں۔

زندگی کا پیمانہ لبریز ہونے کا وقت آیا تو وفات ہوائی جہاز کے حادثے میں ہوئی اور الحريق شهيد و صاحب الهدم شهيد (جل کر مرنے والا بھی شہید ہے، مکان گرنے سے مر جانے والا بھی شہید ہے) کی

نبوی بشارت حصے میں آئی، ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے میت کی شناخت ہوئی اور کراچی میں ایک بہت بڑے جنازے کے بعد دارالعلوم کراچی میں جنید صاحبؒ کی وصیت کے مطابق تدفین عمل میں آئی۔ حق تعالیٰ شانہ مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں بلند مقام نصیب ہو، آمین یارب العالمین۔

سفر حرمین کی کچھ باتیں:

احقر کو اللہ جل شانہ کی خاص رحمت سے حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی، مرشدی و مولائی حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ کی معیت میں ۱۳/افراد کا مختصر سا قافلہ تھا اور ۱۷/دن کا سفر، بعض احباب کی فرمائش ہوئی کہ سفر کے کچھ نہ کچھ احوال لکھو، ان احباب کی فرمائش پر مختصرا کچھ لکھتا ہوں کہ اس پاک سرزمین کی ہر چیز کا ذکر عشاق کے لیے تسکین دل و جاں ہے، اللہ جل شانہ بندہ اور دیگر احباب کے لیے نافع بنائیں۔

۱:......۲۵/نومبر کی شب کراچی سے سعودی ایئر لائن کی پرواز تھی اور ریاض میں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد فجر کے قریب جہاز مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ فجر کی نماز ایئر پورٹ پر ہی ادا کی اور باہر نکلے تو موسم میں خاصی خنکی تھی اور لوگوں نے اپنے لمبے عربی چوغوں کے اوپر سویٹریں اور جرسیاں پہنی ہوئی تھیں، دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ جانے کے احساس سے دلوں پر ایک خاص ہیبت و کیفیت طاری تھی اور زبانیں درود شریف کے ورد سے معطر تھیں۔

۲:...... یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ایمگریشن اور ایئر پورٹ کے عرب عملے میں ڈھونڈ کر بھی کوئی پختہ عمر شخص نظر نہ آتا تھا بلکہ سب کے سب آفیسر سترہ اٹھارہ یا بیس بیس سال کے لڑکے تھے، کسی سے وجہ پوچھنے پر یہ جواب ملا کہ مال اور اسبابِ عیش کی فراوانی کی بناء پر عرب حضرات میں جسمانی مشقت و محنت یا دفتری کام کاج اور ڈیوٹی کی پابندی کا رجحان نہیں ہے، اس لیے نوعمر نوجوان اپنے خرچ پانی کے لیے اس قسم کی کوئی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں اور کچھ عرصے بعد چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر خاصا صدمہ اور افسوس ہوا کہ وہ عرب جن کی راتیں گھوڑوں کی پیٹھوں پر بسر ہوتی تھیں، جن کا بستر صحراء کی ریت اور جن کا مشغلہ شتربانی، شہسواری اور تیغ زنی و نیزہ بازی تھی، جن کی جفاکشی کے سامنے پہاڑوں کو پگھلنا اور صحراؤں کو سمٹنا پڑا، اور جو مدینے سے نکلے تو خیبر، تبوک، شام، عراق، افریقہ اور بلوچستان تک کوئی خوفناک وادی، کوئی سربفلک پہاڑ، کوئی لق و دق صحراء ان کا راستہ نہ روک سکا، آج وہی عرب تعیش کے ہاتھوں اس قدر اپاہج اور لاچار ہو جائیں کہ اے سی کے بغیر چند گھنٹے کھلی فضاء میں گذارنے کا تصور بھی ان کے لیے محال ہو اور اپنے ذاتی یا قومی ہر کام کے لیے دوسروں کے محتاج ہو جائیں۔ دِل دُکھا اور بہت زیادہ دُکھا۔

۳:......ایئر پورٹ سے نکل کر ایک کوسٹر میں سوار ہو کر اپنے فندق ''المدینہ کنکارڈ'' میں پہنچے جو

مسجد نبوی کے باب فہد سے سڑک پر نکلیں تو تین ہوٹل چھوڑ کر فندق دار الہجرہ کی بغل میں واقع ہے، پہنچتے پہنچتے آٹھ نو بج چکے تھے۔ تین کمرے ملے، ان میں سامان رکھ کر نہانا دھونا اور جمعے کی تیاری شروع کر دی کیونکہ یہاں جمعہ زوال کے فوراً بعد تقریباً ساڑھے بارہ بجے شروع ہو جاتا ہے اور ساڑھے دس گیارہ بجے کے بعد مسجدِ نبوی میں جگہ ملنی مشکل ہوتی ہے۔ نہا دھو کر تیار ہو کر مرشد کے پیچھے پیچھے جمعے کے لیے نکلے تو ہر طرف لوگ جوق در جوق سر جھکائے خاموشی اور ادب سے مسجد نبوی کی جانب رواں دواں تھے۔ ہم بھی رحمت کے سمندر کی طرف رواں دواں اس دریا میں خاموشی سے شامل ہو گئے، نجانے کب آنکھوں سے آنسوؤں کی رم جھم شروع ہوئی...... یہ سوچ کر...... کہ گناہوں کی نجاست میں لت پت یہ ناپاک وجود...... جو یہاں کی پاک سرزمین پر پاؤں رکھنے اور یہاں کی معطر فضاء میں سانس لینے کا بھی حق دار نہیں...... آخر کس منہ سے سید الاولین والآخرین کی بارگاہِ اقدس میں جا کر کھڑا ہو...... اور کس طرح آپ کی بارگاہ میں حاضری کی ہمت کرے......؟ پھر یہ خیال آیا کہ یہی تو دروازہ ہے جس کے فیض سے گناہوں میں ڈوبے ہوئے انسان دھل کر پاک صاف ہو جاتے ہیں...... جس کی سفارش سے نفس کی بیماریوں میں مبتلاء مریضوں کو شفاء ملتی ہے...... جہاں رحمت ہی رحمت، رأفت ہی رأفت، شفقت ہی شفقت ہے...... جو ہر ایک کو سینے سے لگاتے...... رحمت کی چادر میں چھپاتے...... اور عفو و درگذر سے کام لے کر محبت اور رحمت کی بارش برساتے ہیں...... ندامت اور محبت کے آنسو بہہ بہہ کر مدینہ کی مٹی پر گرتے گئے اور تھوڑی دیر میں مسجد نبوی کا دروازہ آ گیا۔

۴:...... اندر داخل ہو کر چلتے چلتے چھتریوں والے اس صحن میں پہنچ گئے جو گنبد شریف سے متصل ہے، بیٹھنے سے قبل کھڑے ہو کر خدمتِ اقدس میں صلوۃ و سلام پیش کیا اور وہیں بیٹھ گئے۔ جمعہ کی پہلی اذان یہاں زوال کا وقت شروع ہونے سے تقریباً چالیس منٹ پہلے ہی ہو جاتی ہے اور لوگ نوافل پڑھنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ابھی جمعہ یا ظہر کا وقت داخل ہی نہیں ہوا ہوتا بلکہ مکروہ وقت داخل ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو عین نصف النہار کے وقت ممنوع وقت میں بھی نفل پڑھتے دکھائی دیتے ہیں، ہم لوگ تو نفل پڑھنے کے بجائے بیٹھے رہے اور درود شریف پڑھتے رہے، زوال کا وقت شروع ہونے کے فوراً بعد امام صاحب سلام کر کے منبر پر تشریف رکھتے ہیں، دوسری اذان ہوتی ہے اور خطبہ شروع ہو جاتا ہے۔

۵:...... خطبہ دینے والے امام صاحب نے امتِ مسلمہ کے مسائل اور اتحاد کی ضرورت پر بہت جاندار خطبہ ارشاد فرمایا، الفاظ اور لہجے سے فکر جھلک رہی تھی، نماز پڑھائی تو تلاوت کے لہجے سے بھی خشوع ٹپک رہا تھا، تلاوت میں کسی تصنع اور بناوٹ کے بجائے سادگی تھی تاہم تجویدی اعتبار سے بعض واضح غلطیاں تھیں اور ''ع'' کو تو بالکل ہی ''ء'' پڑھتے تھے۔ مثلاً ''الحمد للہ رب الآلمین'' وغیرہ......

۶:...... مدینہ طیبہ کے قیام میں ہم لوگ عموماً نمازیں چھتریوں والے اسی صحن میں پڑھا کرتے تھے،

نمازوں کے علاوہ بھی عموماً یہیں بیٹھے رہتے تھے، ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم روضہ مبارک میں تشریف فرما ہیں اور مسجد نبوی میں موجود سب لوگ آپ کی مجلس میں بیٹھے ہیں، اسی پر کیف تخیل سے سرشاری رہی اور وہاں کے روز وشب گذرتے رہے۔ مواجہ مبارک پر دن میں ایک یا دو بار ہی حاضری دیتے تھے کہ لاپرواہی سے بار بار جانے کو بعض اکابر نے خلافِ ادب لکھا ہے تاہم مسجد میں جب بھی حاضر ہوتے درود وسلام عرض کر کے بیٹھتے تھے۔

۷:...... جمعہ سے فراغت ہوئی تو آرام وغیرہ کے بعد سب سے رقم جمع کر کے اجتماعی کھانے کی ترتیب بنالی گئی اور بزرگ ساتھیوں کو استثناء دے کر ہم جوان ساتھیوں نے کھانے لانے، چائے بنانے اور صفائی وغیرہ کی ڈیوٹیاں بھی آپس میں تقسیم کرلیں تاکہ احباب کا کم سے کم وقت ضائع ہو، مل جل کر کھانے اور کام کرنے سے کھانے اور وقت میں برکت ہوتی ہے، سنت طریقہ بھی یہی ہے۔ برتن دھونے کی خدمت بندہ کے حصہ میں آئی تھی۔

۶:...... مسجد نبوی میں وہاں کے بعض شیوخ تو ہر شام افطاری کے دسترخوان لگاتے تھے کہ کوئی روزے دار ہو تو یہاں افطاری کرلے۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے لیے روزے دار ہونا بھی ضروری نہیں تھا بلکہ ہر خاص وعام کو بیٹھنے کی اجازت تھی۔ سوموار، جمعرات اور ایام بیض میں یہاں ہرطرف کثرت سے دسترخوان لگتے تھے کیونکہ ان ایام کا روزہ سنت بھی ہے اور یہاں کا عام رواج اور معمول بھی۔ مسجد کی صفائی کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظامیہ کی طرف سے صرف کھجور، قہوہ، بن، ملائی، چند خاص اشیاء ہی کی اجازت تھی اور سالن چاول وغیرہ کی اجازت نہیں تھی۔ مغرب سے کچھ دیر قبل پلاسٹک کے شاپر نما لمبے لمبے سُفرے یعنی دسترخوان لگنے شروع ہوجاتے۔ سفرے لگانے والے مدینہ طیبہ کے شیوخ ہوتے جو اپنے بچوں اور ملازموں کے ساتھ مل کر سفرے لگاتے اور پھر لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اپنے دسترخوان پر بیٹھنے کی دعوت دیتے اور لوگوں کی منت کر کے، ہاتھوں سے کھینچ کھینچ کر اور بسا اوقات پاؤں کو ہاتھ لگا کر اپنے اپنے دسترخوان کی طرف کھینچتے، اہل مدینہ کی محبت کے اس انداز سے مدینے والے صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یاد آجاتی تھی۔

۷:...... بندہ کے ماموں مولانا قاضی ظہور حسین اظہر مدظلہ امیر تحریک خدام اہل السنّت والجماعت بھی ان دنوں عمرے پر تشریف لائے ہوئے تھے اور ہم سے ایک دو دن بعد ہی مدینہ طیبہ پہنچے تھے، ایک روز حضرت اقدس نے ہمارے کمرے میں ان کی پر تکلف دعوت کی، وہ جناب حافظ مسعود صاحب کے ساتھ تشریف لائے، کھانا تناول فرمایا، بہت دیر ہمارے ساتھ ازراہِ شفقت گفتگو فرماتے رہے، بندہ کی دو خالائیں بھی سفر میں ساتھ تھیں، ان سے ملاقات فرمائی اور پھر تشریف لے گئے۔ اللہ جل شانہ ان کی عمر صحت اور علم و عمل میں برکت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

۸:......مدینہ طیبہ کا موسم قدرے خنک رہا، نہ پنکھے اور اے سی کی ضرورت تھی اور نہ ہی ہیٹر وغیرہ کی، صبح کو مسجد جاتے وقت کوئی گرم چادر اوڑھ کر چلے جاتے تھے، دن کو اگر حبس محسوس ہوتی تھی تو کچھ دیر اے سی بھی چلا لیتے تھے۔ایک روز عصر سے قبل ایک میڈیکل سٹور سے دوائی لے کر باہر نکلا تو بارش کی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی جس میں بھیگنے کا لطف اٹھایا، نماز کے لیے مسجد پہنچا تو وہاں بارش کا نام ونشان بھی نہیں، زمین بالکل خشک، حضرت اقدس سے یہ ماجرا عرض کیا تو بے ساختہ حضرت نے فرمایا کہ ’’وصارت المدینة کالجوبة‘‘ عرض کیا کہ ’’جوبة‘‘ کا کیا معنیٰ ہے؟ تعجب سے فرمایا کہ حدیث پڑھاتے ہو جوبة کا معنیٰ نہیں آتا؟ پھر وہ حدیث سنائی کہ ایک بار ایک بدوی صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط کی شکایت اور بارش کی دعا کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو اسی وقت بارش شروع ہوگئی حالانکہ اس سے پہلے آسمان میں ایک چپہ بھی بادل نہیں تھا، یہ بارش مسلسل ایک ہفتہ جاری رہی یہاں تک کہ اگلے جمعہ اسی بدوی صحابی نے بارش رکنے کی دعا کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا اور بادل مدینہ طیبہ سے ہٹ گئے اور چاروں طرف برسنے لگے تو ’’فصارت المدینة کالجوبة‘‘ یعنی مدینہ بادلوں کے درمیان گنبد کی طرح رہ گیا۔اسی مقام پر اسی کیفیت میں اس واقعہ کو یاد کر کے چشم تصور سے دیر تک اس منظر کو دیکھتے رہے۔بارش وقفے وقفے سے رات بھر جاری رہی اور فجر کے وقت سیاہ بادلوں سے ڈھکے ہوئے مدینہ طیبہ کا منظر بہت ہی حسین تھا۔

۷:......اگلا جمعہ شیخ حذیفی نے پڑھایا، شیخ حذیفی اپنی کبر سنی، تقویٰ وپاکبازی اور حق گوئی کی بناء پر اہل مدینہ اور ائمہ حرم نبوی میں بہت ہی محبوب ومحترم شخصیت ہیں، بندہ کو ان سے غائبانہ عقیدت ومحبت ہے اور پچھلے سفر میں ان کی زیارت ومصافحہ کا شرف بھی بحمد اللہ ملا تھا، ہر روز عشاء کی نماز شیخ ہی پڑھاتے تھے اور ماشاء اللہ دھیمے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں اور تجوید کے ساتھ بہت خوبصورت تلاوت فرماتے تھے۔جمعہ کا موضوع ’’غفلت‘‘ تھا، غفلت کی اقسام، اس کی وجوہات، اس کو دور کرنے کے طریقوں پر ایسا خوبصورت بیان فرمایا کہ گویا سارے دین کا خلاصہ نکال کر رکھ دیا، ہر ہر جملے کے ساتھ قرآن پاک کی کسی آیت سے استشہاد فرماتے تھے۔اللہ جل شانہ ان کو جزائے خیر عطاء فرمائیں، ان کے علم، عمر، تقویٰ اور رزق میں برکت نصیب فرمائیں، انہیں شریروں کے شر اور حاسدین کے حسد سے محفوظ فرمائیں اور ہمیں ان کے ارشادات پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔یہ ہمارا مدینہ طیبہ میں آخری دن تھا اور اگلے روز مکہ مکرمہ روانگی تھی۔

:......مسجد نبوی میں علماء کرام کے دروس کے حلقے بھی لگتے تھے جن میں وہاں کے مشائخ مختلف کتابوں کا یومیہ درس دیتے تھے، چونکہ کوئی نہ کوئی درس ہمارے قریب ہی ہو رہا ہوتا تھا تو اس کی آواز بھی کانوں میں پڑتی رہتی تھی۔ان دروس کی سماعت سے جہاں علمی فائدہ ہوا وہیں اس بات پر افسوس بھی ہوا کہ

وہاں کے مشائخ کرام میں فروعی مسائل میں اپنے موقف کو قطعی اور واحد درست موقف کے طور پر بیان کرنے کا رجحان عام ہے جو افسوس ناک ہے۔ ہماری طرح سب ائمہ کے مذاہب اور دلائل ذکر کرنے اور اس کے بعد ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے مسلک کی مدلل ترجیح کا رواج نہیں ہے۔

۸:...... ہفتے کے دن صبح دس بجے ایک کوسٹر ہی میں مکہ مکرمہ کی طرف روانگی تھی، مدینہ والوں کی میقات ذوالحلیفہ جسے آج کل بیر علی کہتے ہیں، وہاں جا کر احرام باندھا، اور لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، ظہر اور عصر راستہ میں پڑھیں، مغرب کے بعد فندق میں پہنچ گئے اور سامان رکھنے کے بعد مغرب پڑھی، فندق یعنی ہوٹل شارع ابراہیم خلیل پر کبوتر چوک میں بروسٹ الفروج کے قریب ہی تھا اور اس کا نام تھا "فندق سفراء الجزیرۃ"...... کمرہ ملنے میں تاخیر کی وجہ سے عشاء بھی یہیں پڑھنی پڑی۔ کمرے ملنے کے بعد مستورات کو ان کے کمروں میں منتقل کیا، سامان کمروں میں رکھا، کھانا کھایا اور پھر مشورہ کر کے سب عمرے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ساحات الحرم یعنی حرم شریف کے باہر والے صحن میں جا کر دورات المیاہ یعنی وضوخانوں پر وضو کیا، وہیں نماز پڑھی، ہر مرد کے ساتھ اس کی محرم مستورات کو ساتھ کیا، بندہ حضرت اقدس کے ساتھ ہو گیا۔

۹:...... تقریباً شب گیارہ بجے عمرہ شروع کیا، پہلے سر جھکائے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور چلتے چلتے مطاف کے قریب پہنچ کر ایک خالی جگہ میں کھڑے ہو کر نظریں اٹھائیں، اللہ جل شانہ کا ہیبت، جلال اور عظمت والا گھر سامنے تھا جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا تعمیر کردہ، امتِ محمدیہ کا قبلہ وکعبہ اور سارے عالم میں توحید اور اہل توحید کا مرکز تھا۔ اس گھر پر پہلی نظر پڑتے وقت جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے، اس لیے وہاں کھڑے ہو کر خوب دعا مانگی۔ پھر مطاف میں اتر کر حجرِ اسود کی جانب بڑھے اور اس کی محاذات میں پہنچ کر طواف شروع کیا، پہلے تین چکر رمل کے ساتھ تھے یعنی اکڑ اکڑ کر، کندھے ہلا ہلا کر، تیز قدموں سے، پہلوانوں کی طرح، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جانباز صحابہ کی سنت تھی جو عمرۃ القضاء کے موقع پر کفار کے سامنے اس طریقے سے طواف کر رہے تھے تاکہ کفار پر ان کی طاقت کی ہیبت پڑے اور وہ انہیں کمزور سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے پر جری نہ ہوں۔ ان کی یہ ادا اللہ جل شانہ کو اس قدر پسند آئی کہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ان مجاہد صحابہ کے اس عمل کو عمرے کے طواف کے پہلے تین چکروں میں سنت بنا دیا گیا تاکہ اللہ کے اس گھر کی حاضری پر جہاں مسلمان پر عاجزی، خشوع، انابت اور خوف ورجاء کی کیفیات طاری ہوں وہیں اللہ کے راستے میں بہادری، شجاعت اور قربانی دینے کے جذبات بھی تازہ ہوتے رہیں۔ رمل کے ان تین چکروں کے بعد باقی چار چکر عام چال کے ساتھ کر کے طواف مکمل کیا۔

۱۰:...... طواف مکمل کرنے کے بعد طواف کے نوافل پڑھنے اور زمزم پینے کے بعد سعی کے لیے

چلے گئے اور سعی کے سات چکر مکمل کیے، سعی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی سنت ہے جن کو ان کے شوہر اللہ کے نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر یہاں لق ودق صحراء میں چھوڑ دیا تھا اور اپنے ننھے بیٹے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے پیاس سے بے تاب ہونے پر وہ پانی کی تلاش میں وہ صفا پر چڑھیں، وہاں سے اتر کر مروہ کی طرف گئیں اور اس پر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی، پھر بے تاب ہوکر صفا کی طرف آئیں اسی طرح بار بار صفا اور مروہ پر چڑھتی اور ان کے درمیان دوڑتی رہیں، اسی دوران اللہ کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام کے پر مارنے سے زمزم کا چشمہ ظاہر ہوا۔ اللہ جل شانہ کو ان کی اللہ کی خاطر اس کسمپرسی کی قدر ہوئی کہ ان کے اس اضطراری عمل کو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے اسوہ بنایا گیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان جس مقام پر وہ دوڑتی تھیں وہاں دوڑنا قیامت تک کے مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے عام چال سے چلنے کا حکم ہے، دوڑنا ان کے لیے سنت نہیں ہے۔

۱۱:......سعی مکمل کرنے کے بعد سب جمع ہوکر واپس ہوٹل کی طرف گئے، رات ڈیڑھ بجے کا وقت ہو چلا تھا، جناب حافظ مٹھا صاحب ایک استرا اور اس کے بلیڈ اپنے ساتھ لائے تھے، انہوں نے خود ہی باری باری ہم سب کی ٹنڈیں کیں، ان کی ٹنڈ حضرت اقدس نے اپنے ہاتھ سے کی اور باری باری غسل کر کے اور دوسرے کپڑے پہن کر سب اپنے اپنے بستر میں لیٹ گئے۔

۱۲:......مکہ مکرمہ میں موسم ذرا گرم تھا، اکثر اوقات ہم اے سی چلا کر رکھتے تھے، رات گئے ہوا میں خنکی ہو جاتی تھی مگر اتنی نہیں کہ چادر یا جرسی کی نوبت آئے۔ مدینہ طیبہ کی نسبت یہاں رش زیادہ تھا اور تعمیراتی کام کی وجہ سے محسوس اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا، مسجد حرام کی بعض اطراف کام کی وجہ سے بند تھیں، انتظامیہ کے لوگوں کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ یکا یک کسی بڑے ہجوم کے ایک ہی طرف گھسنے سے کوئی ہڑبونگ اور افراتفری نہ پیدا ہو جس سے لوگوں کو کوئی نقصان پہنچے، اس لیے اذان سے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی زیادہ رش والے راستے بند ہونا شروع ہو جاتے تھے اور اذان کے بعد تو مسجد کی نچلی منزل کے دروازے بھی ایک ایک کر کے بند کر دیئے جاتے تھے، اسی طرح مسجد سے مطاف کو جانے والی سیڑھیاں اور راستے بھی بند ہو جاتے تھے۔ اوپر والی منزل کا راستہ اکثر آخر تک کھلا رہتا تھا۔ اس لیے مسجد حرام میں با جماعت نماز حاصل کرنے کے لیے اذان سے کم از کم بیس پچیس منٹ قبل فندق سے نکلنا ضروری تھا اور تاخیر کی صورت میں یہ خطرہ ہوتا تھا کہ انسان کو باہر روڈ پر یا ساحات الحرم میں ہی نماز پڑھنی پڑے۔ ایک مرتبہ کے سوا بحمد اللہ اس کی نوبت نہیں آئی۔ اور حضرت اقدس ازراہِ ادب اوپر والی منزل میں بالکل نہیں جاتے تھے، نچلی منزل میں جگہ مل جائے تو خیر ورنہ ساحات میں ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔

۱۳:......طواف کے دوران حضرت اقدس ہجوم کے اندر گھس کر نہیں چلتے تھے بلکہ کنارے کنارے

چلتے تھے اگر چہ اس کی وجہ سے طواف کچھ طویل ہو جاتا تھا۔ اور دائیں یا بائیں خالی جگہ دیکھ کر ادھر ادھر مڑتے بھی نہیں تھے بلکہ معتدل رفتار سے ایک ہی دائرے میں چلتے رہتے تھے اور طواف کے آخری چکر میں اکثر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ صبح سحری میں سب سے پہلے بیدار ہو کر حرم شریف کو روانہ ہو جاتے تھے اور اس میں ہم میں سے کوئی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا، صبح کی چائے ساحات میں بیٹھ کر پی جاتی تھی اور دوپہر اور رات کا کھانا فندق میں ہم سب اکٹھے ہی کھاتے تھے۔

۱۴:......مکہ مکرمہ کے لوگ بھی بہت ہمدرد اور شفیق مزاج تھے البتہ ان کی شفقت اور محبت قدرے جلال کا رنگ لیے ہوئے تھی۔ ایک مرتبہ بندہ خالہ جان کو وہیل چیئر پر مسجد کے اندر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا، وہیل چیئر کا اس وقت داخلہ ممنوع ہونے کی وجہ سے شرطے نے بندہ کو ڈانٹ پلا کر روکا، بندہ نے مسکرا کر عرض کیا کہ: ''یبدو أنك غضبان، ارے بھائی! بڑے غصے میں لگتے ہو'' اس پر اس کی ہنسی نکل گئی اور مجھے گلے سے لگا لیا اور خوب ہنسا۔ مدینہ طیبہ کی طرح یہاں بھی سوموار اور جمعرات کی شام افطاریوں کے دستر خوان لگتے تھے، کھجوریں، بن اور قہوے خوب چلتے تھے۔ ایک دن عصر کے بعد بندہ کو باب عبد العزیز کے قریب مطاف میں طائف کے کچھ شیوخ کے ساتھ جگہ ملی، ان لوگوں کا معمول ہے کہ ہر جمعرات کو افطاریوں کا سامان لے کر حرم شریف میں آ جاتے ہیں اور عشاء کے بعد واپس طائف لوٹ جاتے ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ تھوڑی سی خالی جگہ نظر آئی تو کرسی لے کر اس پر بیٹھ گیا تا کہ بیت اللہ شریف کا منظر خوب نظر آتا رہے، اور تلاوت شروع کر دی، میرے ساتھ ایک شیخ کی جگہ تھی جو شاید مکہ کے تھے اور اپنی جانماز اور کرسی رکھ کر طواف کے لیے چلے گئے، میں پانی پینے کے لیے اٹھا تو میرے والی کرسی پر ایک اور صاحب بیٹھ گئے، مجبوراً میں شیخ کی جگہ پر بیٹھ گیا کہ جب وہ آئیں گے تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا، جب وہ آئے تو میں ان کی جگہ سے اٹھنے لگا، انہوں نے دوبارہ مجھے بٹھانا چاہا تو میں نے کہا کہ آپ یہیں بیٹھیں میں جا رہا ہوں، اس پر وہ کہنے لگے: ''اجلس أنت و أرتحل أنا.'' یعنی تم یہیں بیٹھو گے اور میں یہاں سے جاؤں گا، چنانچہ مجھے انہوں نے نہیں اٹھنے دیا اور خود کسی اور طرف چلے گئے۔ ان کے ساتھ ایک طائف کے شیخ تھے جن کا نام شیخ خالد القحطانی تھا، ان سے تعارف اور حال احوال ہوا، افطاری کا وقت ہوا اور میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا تو انہوں نے ایک کھجور کو قشطہ یعنی ملائی کے ساتھ لگایا اور اپنے ہاتھ سے میرے منہ میں ڈالا، مجھے بڑی شرمندگی ہوئی تاہم وہ اسی محبت سے ایک ایک چیز خود آگے بڑھاتے اور کھلاتے رہے، مغرب کے بعد پھر سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور ان کی اپنائیت جاری رہی، اپنے ہاتھ سے ہی لقمہ منہ میں ڈالنے پر اصرار کرتے تھے۔ اللہ جل شانہ ان کو جزائے خیر عطاء فرمائیں اور اس مقدس سرزمین کے ہر باشندے پر اللہ کی رحمت اور فضل و انعام کی موسلا دھار بارش برسے اور اللہ جل شانہ ہر قسم کے شرور و فتن اور آزمائش سے ان حضرات کی حفاظت فرمائیں۔

۱۵:......عشاء کی نماز مستقل شیخ سدیس پڑھاتے تھے، باقی نمازیں دوسرے ائمہ پڑھاتے تھے، شیخ ماہر نے ہمارے ہوتے ہوئے کوئی نماز نہیں پڑھائی اور شیخ شریم نے صرف جمعہ پڑھایا اور اس سے اگلے دن فجر پڑھائی۔ جمعہ میں بندہ کو مطاف میں منبر کے قریب ہی جگہ ملی تھی مگر خطبہ کم سمجھ میں آیا، وہاں سے سپیکر چونکہ دور تھے اس لیے آواز کی گونج زیادہ آتی تھی اور الفاظ کم سمجھ آتے تھے، پھر شیخ شریم کا بولنے کا انداز بھی ذرا تیز تھا، بہر حال بندہ کو تو بیان سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۶:......ہماری موجودگی کے دوران حرمین میں آئے ہوئے لوگوں میں انڈونیشیا، ملائشیا، ترکی، اور پاکستان و ہندوستان کے معتمرین کی کثرت تھی، آخری دنوں میں الجزائر کے قافلے بھی خوب پہنچنے شروع ہوئے جبکہ ایران، عراق، سوریا اور مصر کا کوئی معتمر نظر نہیں آیا، مصری حضرات جو وہاں مقیم تھے وہ تو تھے لیکن عمرے والے نہیں تھے کیونکہ عمرے کے ویزے ابھی تک ان کے لیے نہیں کھلے تھے۔ بندہ کو عربی اچھی طرح آتی تو نہیں لیکن بولنے کا شوق بہت ہے اس لیے الٹی سیدھی ہر ایک سے بولتا رہتا تھا اور عرب ممالک کے احباب سے خوب گپ شپ ہوتی تھی۔ ترکی حضرات پاکستانیوں سے خاصی محبت کرتے تھے تاہم ''زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم'' والا مسئلہ تھا کہ انہیں ترکی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں آتی تھی اور ہمیں ترکی نہیں آتی تھی، اس لیے اشاروں کی عالمی زبان میں ہی اظہارِ محبت پر اکتفاء کیا جاتا۔

۱۷:......واپسی سے پچھلے روز ہم نے جی بھر کے طواف کیے، زمزم پیا اور دل کے ارمان کچھ نکالے، بہت سے باقی رہ گئے، پھر رات کو واپس آ کر واپسی کے لیے سامان باندھا اور کچھ دیر آرام کیا، صبح کی نماز کے بعد کعبہ شریف پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر مسجد حرام سے باہر نکل آئے، ساحات میں بیٹھ کر چائے پی اور پھر ہوٹل میں آ کر کچھ دیر بعد واپسی کے سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ دل میں یہ حسرت لیے کہ یہاں کے چند روزہ قیام میں یہاں کا حق ادا نہ ہو سکا، عبادت نہ ہو سکی، لایعنی اور فضولیات سے نہ بچ سکے، بار بار یہ ٹیس اٹھ رہی تھی کہ کاش کہ جو بھی لمحہ ضائع ہوا ہے وہ نہ ہوا ہوتا۔ انسان کتنا نادان اور کم عقل ہے کہ کسی خاص موقع اور مقام پر اس کا وقت ضائع ہو جائے تو بار بار افسوس کرتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی مختصر سی زندگی کا ہر ہر لمحہ اس کے لیے بے حد قیمتی ہے اور اسے ضائع کرنا اس کا ایک نا قابل تلافی نقصان، یہ چند روزہ زندگی بہت محدود ہے اور اس میں جو لمحہ بھی اللہ کی یاد کے بغیر گذر جائے وہ یہاں سے جانے کے بعد حسرت ہی حسرت اور ندامت ہی ندامت ہے۔ کاش کہ ہم سے یہ دائمی غفلت دور ہو جائے اور اس مختصر سی زندگی کو قیمتی بنانے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو بار بار حرمین شریفین کی مقبول حاضری نصیب فرمائیں اور زندگی کے ہر سانس کو اپنی رضا کے مطابق گذارنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین احسن خدامی

☆......☆......☆......☆

تحریر: حضرت مولانا محمد عبد الحمید تونسوی مدظلہ

اہل السنۃ والجماعۃ کی حقانیت

تبلیغی اسفار میں بہت سارے لوگوں نے متعدد بار احقر سے پوچھا کہ آپ اہل السنّت والجماعت سے کیوں وابستہ ہیں؟ کیا اہل السنّت والجماعت ہی روزِ قیامت کامیاب ہونگے؟ یا آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم اہل السنّت والجماعت ہو؟ اور کیا اہل السنّت والجماعت فرقہ ورانہ نام نہیں؟ کیا سلف صالحین بھی اہل سنت ہی تھے؟ وغیرہ وغیرہ......ان سوالات کے جوابات کیلئے اور اہل السنّت والجماعت کی حقانیت وعظمت جاننے کیلئے چند روایات پیشِ خدمت ہیں۔

۱)......حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ فرقہ ناجیہ کون ہے؟ (اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ ”اہل القرآن والحدیث“ کامیاب ہونگے) بلکہ آپ ﷺ نے جامع بات ارشاد فرمائی! کہ: **”ماأناعليه و أصحابى“** (ترمذی: رقم الحدیث، ۲۶۴۱، مستدرک حاکم: رقم الحدیث، ۴۴۴، مشکوۃ: رقم الحدیث: ۱۷۱) میرا طریقہ اور میرے صحابہؓ کا طریقہ۔

یعنی میرے اور میرے صحابہؓ کے اعتقادات کے حامل اور میری سنت اور صحابہؓ کی سنت پر عمل کرنے والا (اہل السنّت والجماعت) فرقہ ناجیہ ہے اور یہی چیز مدارِ نجات ہے، اس سے ایک تو یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں، تبھی تو جناب رسول اللہ ﷺ اپنے طریقہ کے ساتھ صحابہؓ کا طریقہ اور دوسری ترمذی کی حدیث کے مطابق اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑنے کی تاکید فرمائی اور دوسرے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل السنّت والجماعت کا نام **”ما أنا عليه و أصحابى“** سے ماخوذ ہے بلکہ ہو بہو اسکا ترجمہ ہے۔

۲)......حضرت ابن عباسؓ **”يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡه“** آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

جن کے چہرے (ایمان وتقویٰ کے نور سے) چمکتے ہونگے وہ اہل السنّت والجماعت ہیں اور جن کے چہرے (کفر ونفاق اور فسق وفجور سے) سیاہ کالے ہونگے وہ اھل البدعة و الضلالة ہیں۔

(درمنثور: آل عمران رقم الآیہ، ۱۰۶، تفسیر ابن کثیر: ۳۰۸/۱، تفسیر مظہری: ۱۱۶/۲)

۳)......**عن ابن عمرؓ عن النبى ﷺ فى قوله تعالىٰ ”يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡه قال تبيض وجوه اهل السنة وتسود وجوه اهل البدع.“** [درمنثور: ۶۳/۲، تحت رقم الآیۃ: ۱۰۶] حضرت ابن عمرؓ آنحضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے اور اہل بدعت کے

کالے سیاہ۔

۴) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ:

''**وَالرَّاسِخُونَ فِیْ الْعِلْمِ......ای الذین رسخوا ای ثبتوا وتمکنوا فِی الْعِلْمِ بحیث لاتعترضه شبهة وهم اهل السنة والجماعة.**'' [تفسیر مظہری: آل عمران: ۷] اور جو لوگ علم میں پکے اور جمے ہوئے ہیں کہ ان کو کوئی شک شبہ لاحق ہی نہیں ہوتا یہ لوگ اہل السنّت والجماعت ہیں۔

یعنی اہل السنّت والجماعت وہ لوگ ہیں جو قرآن وسنت کی اس تعبیر وتشریح کو سمجھتے ہیں جو صحابہ کرامؓ، سلف صالحین اور اجماع امت سے منقول ہو، وہ قرآنی تعلیمات کا مرکز صرف محکمات کو مانتے ہیں اور متشابہات کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، البتہ وہ محکمات ومتشابہات دونوں کو حق سمجھتے ہیں۔

۵) حضرت انس بن مالکؓ سے اہل السنّت والجماعت کی نشانیاں پوچھی گئیں تو انہوں نے فرمایا:

سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِکٍؓ عَنْ عَلَامَاتِ أَھْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ؟ فَقَالَ أَنْ تُحِبَّ الشَّیْخَیْنِ، وَلَاتَطْعَنَ الْخَتَنَیْنِ، وَتَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّیْنِ. ''[مرقاۃ شرح مشکوۃ: باب مسح علی الخفین تحت رقم الحدیث: ۵۱۷] کہ اہل السنّت والجماعت وہ ہیں جو حضرات شیخین (ابوبکر وعمرؓ) سے محبت رکھیں، حضرات ختنین، داماد رسول (عثمان وعلیؓ) پر طعن وتشنیع نہ کریں اور موزوں پر مسح کریں۔

۶)......(ا)......سیدنا حضرت حسین ابن علی ◆ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم دونوں (حضرات حسنینؓ) جنتی نوجوانوں کے سردار ہو۔ ''**وقرة عین أھل السنة.**'' اور اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ [تاریخ کامل ابن اثیر: ۶۲/۴، تاریخ ابن خلدون مترجم: ۱۱۲/۲]

(ب)......علامہ سخاویؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی ابن حسین ابن علیؓ نے فرمایا کہ:

"**فی الأمر بالصلاة علی رسول الله ﷺ وفی أی وقت کان وکیفیة ذلک علی اختلاف أنواعه والأمر بتحسین الصلاةعلیه والترغیب فی حضور المجالس التی یصلی فیها علیه، وإن علامة أھل السنة الکثرة منها.**'' [القول البدیع: محل الصلاۃ، الباب الاول]

اہل السنّت والجماعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ سرور عالم ﷺ پر درود شریف زیادہ پڑھتے ہیں۔

۷)......حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

تہتر (۷۳) فرقوں میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا، صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہیں؟ ''**قال اھل السنةوالجماعة، فقیل ومن اھل السنة والجماعة، قال ماأناعلیه واصحابی.**'' [احیاء العلوم: باب حقیقۃ الدین فی نفسہا، مرقاۃ: شرح مشکوۃ: باب

الاعتصام،العرف الشذی: باب ماجاء فی افترق ہذہ الامہ،فیض القدیر: حرف الھمزہ] آپ ﷺ نے فرمایا! اہل السنّت والجماعت ، پھر پوچھا گیا کہ اہل السنّت والجماعت کون ہیں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا! میری سنت اور میرے صحابہؓ کی سنت پر عمل کرنیوالے۔

۸)......امام ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ:

پہلے لوگ اسناد کی تحقیق نہیں کیا کرتے تھے،لیکن جب دین میں فتنے داخل ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ اپنی اپنی سند بیان کرو۔''**فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ،وَيُنْظَرُإِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ.**'' [مقدمہ مسلم: باب فی ان الاسناد من الدین،ترمذی: کتاب العلل ۲۳۴،الکفایة فی علم الروایة: ۱۵۰] دیکھیں گے اگر روایت کرنے والے اہل سنت ہونگے تو ان سے روایت قبول کریں گے اور اگر بدعتی ہوں گے تو ان کی روایت قبول نہیں کریں گے۔

۹)......امام ابوالمنصور البغدادیؒ اہل السنّت والجماعت کو ہی صحابہؓ کا حقیقی پیروکار سمجھتے ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:''**ولسنا نجد الْيَوْم من فرق الامة من هم على مُوَافقَة الصَّحَابَةؓ غير اهل السّنة وَالْجَمَاعَة من فُقَهَاء الامة.**'' [الفرق بین الفرق: الفصل الثانی من فصول ہذا الباب فی بیان تحقیق النجاۃ لاہل السنۃ والجماعۃ] امت کی موجودہ اختلافی حالت میں ہم صحابہ کرامؓ کے موافق اہل سنت والجماعت فقہاء امت کے سوا کسی اور کو نہیں پاتے۔

۱۰)......امام ابوحنیفہؒ نے اپنے بیٹے جناب حمادؒ کو یوں وصیت فرمائی:

''**یا بُنی ان تتمسک مذهب أهل السنةوالجماعة وتتجنّب عن اهل الجهالة وذوی الضلالة.**'' [وصایا امام اعظم مترجم اردو: ۶۲ طبع کراچی] اے میرے بیٹے! اہل السنّت والجماعت کے مذہب کو مضبوطی سے پکڑنا اور جہالت والوں اور گمراہوں سے دور رہنا۔

۱۱)......علامہ ابن حزمؒ،اہل حق کی یوں نشاندہی کرتے ہیں کہ

''**وأهل السنة الذين نذكر هم أهل الحق ومن عداهم أهل البدعة.** الخ[کتاب الفصل: ۱۱۳/۲] اہل السنۃ جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں،یہی اہل حق ہیں اور ان کے سوا جو لوگ ہیں وہ اہل بدعت ہیں۔

فائدہ: سنت کے مقابلہ میں جس طرح بدعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اسی طرح اہل سنت کے مقابلے میں اہل بدعت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

حضرات مفسرین ومحدثین،اہل سنت ہی کو اہل حق کا نام دیتے ہیں،جبکہ اہل بدعت کو اہل ہویٰ، اہل ضلالت اور اہل جہالت بھی کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ بدعت کبھی تو عقائد میں پائی جاتی ہے اور کبھی اعمال میں۔بدعت فی العقائد انتہائی

مہلک ہے کہ کبھی وہ کفر تک بھی پہنچا دیتی ہے اور بدعت فی الاعمال اپنی جگہ قبیح ہے کہ وہ سنت کی برکات سے محروم کر دیتی ہے اور انسان کے اعمال کو برباد کر دیتی ہے اور اسے کچھ خبر تک نہیں ہوتی۔ پس جس فرقے میں جس قسم کی بدعت پائی جائے گی اس پر اسی کے موافق حکم نافذ ہوگا۔

۱۲)......امام ترمذی C، ایک حدیث کے تحت، صفات باری تعالیٰ کے متعلق اہل حق کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:......ایسی احادیث پر صفات کی کیفیت جانے بغیر ایمان لانا ضروری ہے۔''

وَهٰكَذَا قَوْلُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ ''[ترمذی: ابواب الزکوۃ، باب ماجاء فی فضل الصدقہ، رقم الحدیث، ۶۶۲] اہل سنت والجماعت کے علماء کا یہی قول ہے۔

۱۳)......حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ اہل السنّت والجماعت کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''فعلی المؤمن اتباع السنة والجماعة فالسنة ماسن رسول الله ﷺ والجماعة ما اتفق عليه الصحابة فى الخلافة الأمة الأربعةؓ ''[غنیۃ الطالبین: ۱۹۵] پس مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ کی پیروی کرے، پس سنت وہ چیز ہے جو آنحضور ﷺ نے مسنون قرار دی اور جماعت وہ چیزیں ہیں جن پر حضرات صحابہؓ نے خلفاء اربعہؓ کی خلافت میں اتفاق کیا۔

۱۰)......غیر مقلدین حضرات کی تسلی کے لیے ان کے رہنما جناب نواب صدیق حسن خانصاحب قنوجی کی عبارت پیش خدمت ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

'' انما سنه الخلفاء الراشدون من بعد فلاخذ به ليس الالامره ﷺ بالاخذ به ''

[الدین الخالص: ۴۳۵/۲] جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد جو چیز حضرات خلفائے راشدینؓ نے مسنون ٹھہرائی اس کو محض اس لئے اخذ کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے اخذ کا حکم دیا ہے۔

نواب صاحب کی اس عبارت میں ان لوگوں کے اس اعتراض کا مکمل جواب موجود ہے، جو یہ کہا کرتے ہیں کہ صحابہؓ اور خلفائے اربعہؓ کے طریقہ کو سنت کہنا کیسے جائز ہے؟

ان دلائل سے خوب واضح ہوا کہ سنت رسول اللہ ﷺ وسنت صحابہؓ ہی مدار نجات ہیں اور اہل السنّت والجماعت ہی طائفہ ناجیہ ہے، اگر اہل سنت والجماعت فرقہ وارانہ نام ہوتا تو حضرت رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور اکابرین امت سے اہل السنّت والجماعت کی منقبت منقول نہ ہوتی حتی کہ کتب اہل سنت کے علاوہ کتب شیعہ میں بھی اہل السنّت والجماعت کی حقانیت کے دلائل موجود ہیں۔

دلائل از کتبِ شیعہ:

سیدی وسندی جدی المکرّم حضرت اقدس علامہ محمد عبدالستار تونسویؒ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس دور میں سنی وشیعہ کے مابین نزاعی مسائل میں ایک اجتہادی شان عطا فرمائی تھی، آپ کا خاص موضوع روافض

کے حملوں سے صحابہ کرامؓ اور مسلک اہل السنّت والجماعت کی حفاظت اوران کا دفاع کرنا تھا۔حضرت والا کے بیانات کا خاص امتیاز یہ تھا کہ آپ عقائد اہل سنت کی تائید وتوثیق اور مذہب اہل سنت کی حقانیت کے دلائل دیگر کتب کے علاوہ کتب شیعہ سے بھی پیش فرمایا کرتے تھے۔

ان حوالہ جات میں سے چند حوالے پیشِ خدمت ہیں۔

۱]......آنحضور ﷺ نے ارشادفرمایا:......''**الا ومن مات علی حب آل محمد مات علی السنۃوالجماعۃ.** ''خوب غور سے سنو! جوشخص بھی اس حال میں مرے گا کہ وہ آل محمد سے محبت کرتا ہوتو وہ اہلسنت والجماعت کے مذہب پر ہی مرے گا۔[ا۔جامع الاخبار:۱۶۶ للشیخ تاج الدین محمد بن الشعیری......۲۔کشف الغمه فی معرفة الائمه :۱۰۷ الابی الحسن علی بن عیسیٰ الاربلی ......۳۔ المراجعات:۸۳عبدالحسین شرف الدین الموسوی]

۲]......آنحضور ﷺ نے ارشادفرمایا:......''**الامن مات علی حب آل محمد علیهم السلام مات مؤمنا مستکمل الایمان ومات علی السنة والجماعة** ......''[مقدمہ تفسیر مرأۃ الانوار لابی الحسن بن محمد طاہر العاملی:۲۱]خوب غور سے سنو! آل محمد کی محبت پر جسے بھی موت آئی اسے ایمانِ کامل پر موت آئے گی اوراس کا خاتمہ سنت والجماعت کے مذہب ہی پر ہوگا۔

۳]......اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کوآنحضور ﷺ کی خدمت میں بھیجااور فرمایا:......''**لیس علی من مات علی السنة والجماعة عذاب القبر ولا شدة یوم القیٰمة** ''[جامع الاخبار:۱۶۶]جس شخص کوسنت والجماعت کے مذہب پرکاربند رہتے ہوئے موت آئے گی اسے نہ تو قبر کا عذاب ہوگا اور نہ ہی اسکے لئے قیامت میں سختی ہوگی۔

رہی یہ بات کہ اہل سنت والجماعت کو یہ عظیم مقام وشرف کس سبب سے ملا؟ تو اس کا جواب سیدنا حضرت علیؓ کے ارشاد سے ملاحظہ فرمایئے۔

۴]......ایک آدمی نے حضرت علیؓ سے اہل سنت کے بارے میں سوال کیا، جب وہ بصرہ میں خطبہ دے رہے تھے تو آپؓ نے اہل سنت کی یوں تعریف کی:

''**وأماأهل السنة فالمتمسکون بماسنه اللّٰهلهم ورسوله وإن قلّوا.** ''[احتجاج طبرسی: لاحمدعلی الطبرسی:۱/۱۶۸]اہل سنت وہ لوگ ہیں جواللہ اوراسکے رسول ﷺ کی باتوں سے دلیل پکڑنے والے ہیں، (یعنی اللہ اوراسکے رسول ﷺ کے راستوں پر چلنے والے ہیں) اگرچہ وہ تھوڑے ہی ہوں۔

اسی لئے انہیں نہ تو قبر میں عذاب ہوگا اور نہ ہی حشر میں عذاب۔

والفضل ماشهدت به الأعداء ع

مفتی رب نواز حفظہ اللہ قسط:۱

غیر مقلدین کا......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو خراجِ تحسین

مولد و مسکن:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کوفہ (عراق) کے رہائشی تھے اس لیے سب سے پہلے آپ کے مسکن کوفہ کے بارے میں کچھ نقل کرتے ہیں۔

کوفہ مرکزِ علم:

مولانا عبدالسلام مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

”بصرہ اور کوفہ یہ دونوں شہر اسلامی علوم کے دارالعلم خیال کیے جاتے تھے۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے ہم پایہ کہنا تو نہایت جسارت ہے اور نہ ایسا ہونا کبھی ممکن ہے۔ تاہم اسلامی علوم کے اعتبار سے یہ دونوں شہر ایک زمانہ میں بہت بلند پایہ تسلیم کیے گئے ہیں۔“ [سیرۃ البخاری:۸۴]

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

”ابتدائی عہد کے بعد عالم اسلامی میں فقہ کے دو اہم مرکز قائم ہوئے۔ ایک کوفہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سعی ونگرانی میں عراقی فقہ کا مرکز قرار پایا اور دوسرا مدینہ منورہ، جس کو حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی علمی سیادت وقیادت میں حجازی فقہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔“ [برصغیر میں علمِ فقہ:۳۱]

کوفہ میں صحابہ کرام کی آمد ورہائش:

مولانا عبدالرشید عراقی صاحب لکھتے ہیں:

”جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بجائے کوفہ کو دارالحکومت بنایا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ بھی مدینہ کی طرح اسلام کا علمی مرکز بن گیا۔“ [کاروانِ حدیث:۲۷]

مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب، امام صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں:

”جس شہر (کوفہ) میں آپ نے ولادت فرمائی، وہ علومِ دینیہ (قرآن وحدیث) کا مرکز تھا۔ اور آپ کے زمانے میں وہاں ہر گھر میں کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس ہوتا تھا۔ بھلا جس شہر کو حضرت عمر فاروقِ اعظم کے حکم سے تعمیر کیا گیا ہو، جس کو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے بسایا ہو اور جس کو حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اپنا دارالحکومت بنایا ہو۔ وہ کتاب وسنت کی یونیورسٹی کیوں نہ بنتا؟ علومِ اسلامیہ کا

چیف کیوں نہ کہلاتا؟ اور قرآن وسنت کی تعلیم دینے والے پرنسپل و پروفیسر کیوں نہ پیدا کرتا؟ یہ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما ہی کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ یہ نو آباد شہر علمائے دین، اساتذہ قرآن اور مدرسین حدیث کا سنٹر بن گیا۔ حضرت امام (ابوحنیفہ) صاحبؒ نے بھی انہی کُوفی اساتذہ سے تعلیم پائی۔'' [سیرۃ الائمہ:۵۴]

مولانا محمد حنیف ندوی صاحب کوفہ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''جب عراق فتح ہوا تو صحابہ کی کثیر تعداد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفے کا قصد کیا۔ جس میں ایک روایت کے مطابق تین سو صحابہ وہ تھے جن کو اَصحابُ الشَجرَۃ کے پُر افتخار لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ستّر وہ تھے جنھوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ان میں سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، عمرو بن فضیلؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔''

[مطالعہ حدیث:۵٦ طبع علم وعرفان پبلشرز لاہور]

ندوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''کوفہ کے نام کو حضرت عبداللہ بن مسعود اوران کے تلامذہ نے زیادہ روشن کیا اوران کے چشمہ فیض سے جولوگ سیراب ہوئے ان میں الربیع بن خثیم، کمیل بن زید النخعی، شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم النخعی، ابواسحاق السبیعی، اور عبدالملک بن عمیر وغیرہ ایسے شیوخ حدیث نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ دوسری اور تیسری ہجری میں یہ فقہ و تفنن (فنون) کا اہم مرکز قرار پایا۔'' [مطالعہ حدیث:۵٦]

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''کوفہ اور بصرہ کی حیثیت فوجی چھاونیوں کی تھی۔ یہ دونوں شہر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آباد کیے گئے اور صحابہ کی اچھی خاصی جماعت ان میں سکونت پذیر ہوئی۔ کوفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم، مفتی اور وزیر مقرر کر کے بھیجا۔ وہ دس سال کوفہ میں مقیم رہے اور وہاں کے باشندوں نے ان سے خوب استفادہ کیا۔ یہ شہر ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی باشندگانِ کوفہ نے خوب استفاضہ کیا۔ ان دونوں کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی وجہ سے وہاں مسائل دینی کی بہت اشاعت ہوئی۔ کوفہ کے مجتہد اور مفتی حضرات بڑی تعداد پر مشتمل تھے جو حضرت علی، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوھریرہ، حضرت عثمان، حضرت معاذ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے فیض یافتہ اور شاگرد تھے۔ ان میں سے چند حضرات مندرجہ ذیل ہیں: فقیہ عراق علقمہ بن قیس نخعی، عالم و مفتی مسروق بن اجدع، معلم عراق عبیدہ بن عمرو سلمانی، فقیہ کوفہ عامر الشعبی، حماد بن ابی سلیمان، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سعید بن جبیر، عمرو بن شرحبیل، ابراہیم بن یزید نخعی، قاضیٔ

کوفہ شریح بن الحارث الکندی اور اسود بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔'' [برصغیر میں علمِ فقہ:۲۹]

مولانا عبدالسلام مبارک پوری صاحب، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''صحابہ میں جو لوگ فنِ حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: چنانچہ فاروقِ اعظم عبداللہ بن مسعودؓ را با جمعے بکوفہ فرستاد'' [سیرۃ البخاری:۲۶۷] یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا۔

صحیح بخاری میں کوفی محدثین کی روایات و آراء:

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے صحیح بخاری کتاب الوصایا جزو:۱۱،ص:۱۸، ۱۹/ سے عن إبراهيم عن الأسود قال ذكروا عند عائشة سند سے حدیث نقل کر کے لکھا:

''حضرت عائشہ کی وفات ۵۷، ۵۸ ہجری میں ہوئی۔ ان سے اسود بن یزید تابعیؒ روایت کرتے ہیں یہ کوفی ہیں ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں فوت ہوئے پھر ان سے ان کے بھانجے ابراہیم نخعیؒ رویت کرتے ہیں۔ ان کی بابت پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے استاد ہیں یہ بھی کوفی ہیں ۹۶/ ہجری میں فوت ہوئے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں طلحہ بن مصرف تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی صحابی سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی تو حضرت عبداللہ نے کہا نہیں۔ الحدیث۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی صحابی اور طلحہ بن مصرف تابعی اور ان کے نیچے سب راوی جو صحیح بخاری میں ہیں سب کوفی ہیں۔'' [تاریخ اہلِ حدیث:۶۰]

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

''امام بخاری اپنی صحیح میں اجتہادی مسائل میں امام ابراہیم نخعی [کوفی (ناقل)] کے اقوال کثرت سے اور عزت سے دیگر علمائے تابعین کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس طرح صحیح بخاری قال الحسن (البصری) سے بھری پڑی ہے اسی طرح (وقال إبراهيم و قال النخعي) سے بھی بھری پڑی ہے کسی کو ان کی بزرگی سے انکار نہیں۔ صحیح بخاری اور فتح الباری کو مطالعہ میں رکھنے والے علماء اس بات کو خوب جانتے ہیں اگر کسی ناقص العلم اور متعصب کو ان کی بزرگی میں کلام ہو تو وہ اپنے دل کا علاج کرے۔'' [تاریخ اہلِ حدیث:۱۲۹]

کوفہ کے اہلِ علم:

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

''اسی طرح کوفہ میں بھی امام سفیان ثوریؒ وغیرہ نے ان روایات کو جمع کیا ہے جو اُن کے زمانہ میں متعارف تھیں۔'' [تاریخ اہلِ حدیث:۱۲۹]

سیالکوٹی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حضرت سعید بن جبیر تابعی ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں جب کوفہ کے لوگ حج کو آتے اور حضرت ابنِ عباسؓ سے کوئی مسئلہ دریافت کرتے تو آپ جواب میں فرماتے: کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہے؟'' [تاریخ اہلِ حدیث:۸۱]

مولانا عبدالرشید عراقی صاحب ''کوفہ'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''تمام اہلِ علم اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں متفق ہیں کہ فقہ اسلامی کے ارتقاء میں علمائے عراق نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔اہلِ عراق کی فقہ حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، پھر علقمہؒ، قاضی شریحؒ، ابنِ ابی لیلیٰ، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، سعید بن جبیر، حماد بن ابی سلیمانؒ، سلیمان بن الاعمش، قاضی شریکؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کی آراء پر مشتمل تھی۔امام بقی بن مخلد کوفہ پہنچے اور دبستانِ عراق کی آراء کا بالاستعاب مطالعہ کیا اور بہت سے اہلِ علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ان میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں:......(۱) حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۵ھ)......(۲) حافظ ابوزکریا بن عبدالحمید الحمانی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۸ھ)......(۳) ابوعبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۴ھ)'' [کاروانِ حدیث:۱۱۵]

اسمِ مبارک:

مولانا ابوزکی صاحب، امام صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ کا اصل نام نعمان بن ثابت ہے۔'' [فقہی مسلک کی حقیقت:۴۷]

مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب لکھتے ہیں:

''اسمِ مبارک نُعمان بن ثابت ہے۔'' [سیرۃ الائمہ:۵۴]

پروفیسر طالب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ جن کا نام نعمان بن ثابت ہے۔'' [اصلی نماز حنفی:۱۵]

مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...ان کا نام اور اسمِ گرامی نعمان ہے۔'' [مقالات نورپوری:۱۶۸]

صلاح الدین یوسف صاحب، امام صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''جب آپ فتویٰ دیتے تو فرماتے: یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے۔'' [مقدمہ،الاصلاح:۱۶]

میاں نذیر حسین دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''إمامنا و سيدنا أبو حنيفة النعمان أفاض الله عليه شآبيب العفو و الغفران. [معیارالحق:

۲]ترجمہ: ہمارے امام وسردار ابوحنیفہ نعمان اللہ ان پر معافی وبخشش کی زوردار بارش برسائے۔

سنِ ولادت:

مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب لکھتے ہیں:

''کوفہ میں ۸۰ھ کو ولادت ہوئی۔'' [سیرۃ الائمہ:۵۴]

مولانا محمد حنیف ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ جنہیں فہم وفکر کا خارقہ کہنا چاہیے، ۸۰ھ میں پیدا ہوئے'' [الاعتصام، ۹رفروری ۱۹۶۱ء]

مولانا ابوزکی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ ۸۰ھ کو عراق کے شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ یہ بنو امیہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔'' [فقہی مسلک کی حقیقت:۴۷]

مولانا عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں:

''آپؒ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہے۔'' [حکومت اور ربانی علماء:۳۹]

مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ نعمان ۸۰ھ میں اس دنیا پر تشریف لائے۔'' [مقالات نورپوری:۱۶۸]

مولانا حکیم محمد صادق صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے'' [سبیل الرسول:۱۳۷]

کنیت:

مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی کنیت تو آپ نے سماعت فرمائی ہے ابوحنیفہ۔'' [مقالات نورپوری:۱۶۸]

مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب لکھتے ہیں:

''کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم پایا تھا۔'' [سیرۃ الائمہ:۵۴]

کچھ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ امام صاحب کی کنیت ان کی حنیفہ نامی بیٹی کی وجہ سے ہے پھر اس پر ایک نامناسب حکایت بھی بیان کرتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کی حنیفہ نامی کوئی بیٹی نہیں ہے۔ درج ذیل نقول ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا ابوزکی صاحب لکھتے ہیں:

''اور کنیت ابوحنیفہ ہے۔آپ کی کنیت حقیقی نہیں کیونکہ آپ کی حنیفہ نام کی بیٹی نہ تھی بلکہ یہ کنیت وصفی ہے جو اصل میں اَبُو الْمِلَّةِ الْحَنِيفَةِ ہے جس کا مطلب ہے حنفی دین وملت والا ایسا شخص جس نے باطل ادیان کی بجائے دینِ حق کو اختیار کیا ہو، یا جو شخص شرک کو چھوڑ کر توحید اپنانے والا ہو۔اسی مفہوم کے پیشِ نظر یہ کنیت رکھی گئی تھی۔'' [فقہی مسلک کی حقیقت:۴۷]

پروفیسر نوید احمد شہزاد (خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث پیپلز کالونی:۲ فیصل آباد) لکھتے ہیں:

''اگرچہ یہ واقعہ کئی پہلوؤں سے تنقیدی مطالعے کا محتاج ہے خصوصا شبلی نعمانی جنہوں نے سیرۃ النعمان لکھی ہے وہ اس کتاب میں بڑی شد ومد سے انکار کرتے ہیں کہ امام موصوف کی اولاد میں سے کسی بیٹی کا نام حنیفہ نہ تھا اور نہ ہی کنیت کا باعث کوئی بیٹی تھی۔(سیرۃ النعمان طبع مدینہ پبلشنگ کمیٹی کراچی،ص ۳۴)اسی طرح یہ واقعہ مشکوک ہے۔'' [محدث، دسمبر ۲۰۰۲ھ:۵۷]

والدِ ماجد اور جدامجد:

مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...ان کے والد گرامی کا نام ثابت ہے دادا کا نام ذوطہ، پردادا کا نام ماح ہے تو نسب اس طرح بنے گا۔امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن ذوطہ بن ماح۔'' [مقالات نورپوری:۱۶۸]

''بخشش کی راہیں'' کتاب میں لکھا ہے:

نام نعمان بن ثابت ہے ان کے باپ بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی تھی پھر ۸۰ھ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی'' [بخشش کی راہیں:۴۴۸،افادات حافظ محمد منشاء بن جمال الدین]

نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ثابت جب صغرسنی میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کے حق میں اور اُن کی ذرّیت کے حق میں دعائے برکت دی۔حضرت امام فرماتے ہیں کہ ہم اپنے حق میں قبولیتِ دعا کے اُمیدوار ہیں۔'' [مآثرِ صدیقی:۸/۴]

مولانا حکیم محمد صادق صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔اس وقت خلیفہ عبدالملک بن مروان بن الحکم کا عہد تھا۔آپ کے دادا زوطی نے حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے عہدِ خلافت میں اسلام قبول کیا۔آپ کے والد ثابت اسلام میں پیدا ہوئے۔'' [سبیل الرسول:۲۷۵]

(جاری ہے۔۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

نعمان محمد امین، کراچی

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ......علماء و مشائخ کی نظر میں

اپنی کم علمی، لکھنے کے ہنر سے ناواقفیت اور الفاظ کے چناؤ سے نابلد ہونے کے باوجود آج جس شخصیت کے لیے قلم اٹھایا ہے جو تاریخ اسلامی کا کوہ بلند و بالا پہاڑ ہے جس نے کم سے کم برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو اس کی اصل صورت میں قائم رکھا۔ جس طرح اللہ رب العزت نے پہاڑ اس لیے بنائے ہیں کہ وہ زمین کو تھامے رہیں، اسی طرح اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام بانی دار العلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسلام کو اس خطے میں جمانے کے لیے بھیجا تھا۔

اپنی زندگی کے پچاس سال پورے کرنے سے پہلے ہی اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام سے کتنے ہی اہم کام لیے، جن میں انگریز سامراج کے خلاف جہاد، اسلام پر اعتراضات کرنے والے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے مناظرے، دار العلوم دیو بند جیسی عظیم و عالی شان درس گاہ کا قیام، اس کے علاوہ حضرت کی قیمتی تصانیف جو ردِّ شیعیت، رد بدعات، ردِ غیر مقلدیت کے علاوہ قرآن و حدیث کے بے شمار اسرار و رموز کو کھولنے والی تحریرات بھی ہیں آپ ہی کی خدمات کا حصہ ہیں۔

اتنی کم عمر میں دین اسلام کی اتنی خدمات پر علامہ اقبال مرحوم کے یہ اشعار ذہن میں آجاتے ہیں:

یہ غازی، یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمات اور ان کی بلند پایہ شخصیت کے بارے میں اپنے اور پرائے جن علما و مشائخ نے جو کچھ کہا، جو میرے بہت ہی محدود مطالعے میں ہے وہ ان سطور میں درج کر رہا ہوں، کہ یہ خراجِ عقیدت ہے حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، الامام الکبیر محمد قاسم النانوتویؒ رحمۃ اللہ علیہ کو۔

۱)۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بھی شیخ ہیں اپنے مرید حضرت حجۃ الاسلامؒ کے بارے میں اپنے متعلقین سے فرماتے ہیں:

''اور جو شخص اس فقیر سے محبت و عقیدت و ارادت رکھے، مولوی رشید احمد سلمہ گنگوہی اور مولوی محمد قاسم سلمہ نانوتوی کو کہ تمام کمالات ظاہری و باطنی ان میں موجود ہیں، راقم (حضرت حاجی امداد اللہؒ) کی جگہ سمجھے بلکہ

مجھ سے فائق المدارج جانے، اگر چہ ظاہری معاملہ برعکس ہوگیا کہ میں ان کی جگہ اور وہ میری جگہ ہوگئے، اوران کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں''۔ [ضیاء القلوب:۱۰۲-۱۰۰]

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں میری جگہ ہونا چاہیے تھا یعنی وہ میرے شیخ ہوتے اوراس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں، یہ حضرت حجۃ الاسلام کے مرتبے اور مقام کو واضح کرتا ہے۔

۲)-حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداداللہ کیا لائے؟ تو میں قاسم اور رشید کو پیش کردوں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں''۔ [معارف الاکابر:۲۳۵]

۳)-حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے مرید حضرت حجۃ الاسلام کے بارے میں فرمایا کہ:

''حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چناں چہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے، جنہوں نے حضرت شمس تبریزیؒ کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا، اسی طرح مجھے مولوی قاسم صاحب لسان عطا ہوئے ہیں''۔[قصص الاکابر:۷۵، امدادالمشتاق:۱۶]

۴)-ایک بار حضرت حاجی صاحب کی مجلس میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہورہا تھا اوران کے مناقب بیان ہورہے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت حجۃ الاسلام کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ:

''مولانا اسماعیلؒ تو تھے ہی، کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے''۔[ارواحِ ثلاثۃ:۲۰۴]

۵)-حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت حجۃ الاسلام کے والد کے خط کے جواب میں جو جملہ لکھا تھا وہ بھی پڑھنے والوں کی نذر!

''اورشکر کریں کہ خداتعالیٰ نے تمہیں ایک ولی کامل بیٹا عطا فرمایا ہے''۔[انوار قاسمی:۲۰۱]

۶)-حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جب پہلی بار حج پر گئے تھے اور وہاں حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تھی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا تھا:

''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے''۔[انوارِ قاسمی:۵۵۰]

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں ایسے کلمات ادکرنا، اس مرید کی قدرومنزلت کو واضح کرتا ہے۔

۷)-حضرت مولانا مہتاب علی رحمہ اللہ:

یہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے استاذ تھے اور حضرت کے پڑھنے کے زمانے میں ہی انہوں نے اپنے شاگرد کا نام ''علم کی بکری'' رکھ دیا تھا۔[سوانح قاسمی:۱/۱۹۲]

۸)-حضرت مولانا مفتی صدرالدین رحمہ اللہ:

ان کا شمار بھی حضرت کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ایک موقع پر مفتی صدرالدین نے حضرت نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا تھا:

''قاسم بہت ذہین آدمی ہے، اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا''۔ [سوانح قاسمی: ۱/۲۶۶]

اساتذہ کا اپنے شاگرد کے بارے میں یہ بیان بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔

۹)-مولانا محمد امین احسن گیلانی رحمہ اللہ:

یہ غالباً حضرت کے ہم عصر علما میں سے تھے اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے جدِّ امجد تھے، وہ حضرت حجۃ الاسلامؒ کی تقریر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس کی تقریر ہو رہی ہے''۔ [سوانح قاسمی: ۱/۳۹۲]

۱۰)-حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ:

حضرت شیخ الہندؒ اپنے استاذ حجۃ الاسلامؒ کے درس سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''جب استاذ رحمۃ اللہ علیہ (حضرت نانوتویؒ) سے کوئی بات پوچھی جاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلے کے تمام دلائل ہاتھ جوڑے ہوئے حضرت کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں''۔ [سوانح قاسمی: ۱/۳۴۳]

یہ تو وہ چند باتیں تھیں جو حضرت حجۃ الاسلامؒ کے متعلق دیوبند کے حضرات نے کہیں، دیگر حضرات حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے، اس کا بھی یہاں تذکرہ ضروری ہے۔ ان میں اکابر اہل سنت بھی ہیں اور غیر اہل سنت بھی۔

۱۱)-مولوی نقی علی والد احمد رضا خانصاحب بریلوی:

جناب احمد رضا خانصاحب بریلوی جو حضرت نانوتویؒ سے بغض، نفرت، حسد، عداوت، کینہ رکھنے میں سب سے اوّل ہیں، جنہوں نے دھوکہ، فریب اور مکاری سے علمائے عرب سے حضرت کے خلاف کفر کا فتویٰ لیا اور اس کی تشہیر کی انہی کے والد مولوی نقی علی صاحب لکھتے ہیں:

مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی علمائے دین اور مؤمنین صادقین میں سے ہیں''۔ [ملخصاً تحفۃ المقلدین: ۱۵، مطبوعہ صبح صادق پریس، سیتاپور]

۱۲)-حضرت مولانا معین الدین اجمیری:

جب مولانا معین الدین اجمیری سے (۱) حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (۲) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۳) مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (۴) مولانا اشرف علی تھانویؒ اور (۵) شاہ اسماعیل شہیدؒ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

''یہ حضرات مسلمان اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔'' [براۃ الابرار: ۲۰۹]

جب جناب احمد رضا صاحب بریلوی نے علمائے دیوبند خصوصاً مندرجہ بالا پانچ بزرگوں پر کفر کا فتوی

لگایا تو مولانا محمد عبدالرؤف خان جگن پوری نے ۱۹۳۱ء میں پورے ہندوستان میں علما اور مشائخ سے فتویٰ طلب کیا کہ کیا حقیقتاً یہ پانچ بزرگ کافر ہیں تو اس کے جواب میں علمائے دیوبند کے حق میں ۱۴۰ رفتاویٰ اور ان پر ۶۱۶ رعلماء اور مشائخ کی تصدیقات کے ساتھ ان تمام فتاواجات کو ۱۹۳۴ء میں ''براۃ الابرار عن مکائد الاشرار ''ملقب بہ''قہر آسمانی برفرقہ رضاخانی'' کے نام سے چھاپ دیا گیا تھا۔ یہ تمام فتاواجات ۲۰۱۲ئمیں تحفظ نظریات دیوبند اکادمی نے دوبارہ چھاپ کر اس نایاب کتاب کو منظر عام پر لے آئی ہے۔

۱۳)-خواجہ قمرالدین سیالوی:

خواجہ قمرالدین سیالوی فرماتے ہیں:

''میں نے تحذیر الناس کو دیکھا ہے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اعلیٰ درجے کا مسلمان سمجھتا ہوں، مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کا نام موجود ہے، خاتم النبیین کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا دماغ پہنچا ہے، وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی، قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے''۔ [ڈھول کی آواز:۱۱۷]

۱۴)-مولوی دیدار علی شاہ:

مولوی دیدار علی شاہ حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا واستاذنا رئیس المحدثین مولانا محمد قاسم صاحب مغفور حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم و مغفور محدث سہارن پوری کے فتوی اجوبہ سوالات خمسہ کی نقل زمانِ طالب علمی میں کی ہوئی احقر کے پاس موجود ہے''۔[رسالہ تحقیق المسائل:۳۱]

۱۵)-سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی:

مولانا محمد سعید صاحب مری والے بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں حضرت پیر صاحب گولڑویؒ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص آیا اور اس نے دریافت کیا: آپ مولوی قاسم صاحب کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں؟ حضرت پیر صاحب نے جواباً فرمایا: تم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھتے ہو؟ سائل نے عرض کیا: جی ہاں، انہی کے متعلق۔ حضرت پیر صاحب نے فرمایا: وہ حق کی صفت علم کے مظہر اتم تھے''۔[اسوہ اکابر:۲۸-۲۷]

۱۶)-حافظ محمد حسین مراد آبادی:

حافظ محمد حسین مراد آبادی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہم عصر تھے اور آپ نے حضرت نانوتویؒ کو بہت قریب سے دیکھا ہے، وہ حضرت نانوتویؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت حاجی (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) خانہ خدا اور زائر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، قصبہ نانوتہ

کے اکابر صدیقی شیوخ سے ہیں۔ عالم، متقی و ربانی وحقانی اور واقفِ اسرار، شریعت وطریقت ہیں''۔
[انوار العارفین: ۵۲۴]

۱۷)۔حضرت مولانا سید عبدالحی:

حضرت مولانا سید عبدالحی والد ماجد مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) بہت ہی زیادہ زاہد اور عبادت گزار تھے، ذکر اور مراقبہ کا بھی بہت ہی کثرت سے اہتمام کرتے تھے اور علما وفقہا کے علامتی لباس یعنی عمامہ اور جبہ وغیرہ سے پرہیز کرتے تاکہ آپ لوگوں پر مخفی رہیں۔ اس زمانے میں آپ نہ کوئی فتوی دیتے، نہ ہی کوئی وعظ کہتے بلکہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر اور مراقبے میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہتے، یہاں تک کہ ان کی برکت سے آپ پر حقائق و معارف کے دروازے کھل گئے''۔ (اقتباس الاعلام [نزھۃ الخواطر])

۱۸)۔مولانا فقیر محمد صاحب جہلمیؒ:

مولانا فقیر محمد جہلمیؒ نے ۱۸۸۰ء میں ''حدائق الحنفیه'' نامی کتاب لکھی، جس میں انہوں نے حنفی علما اور فقہا کا تذکرہ کیا ہے، انہی علما کی فہرست میں آپ نے حضرت نانوتویؒ کا ذکر نہایت حقیقت پسندانہ کیا ہے، حضرت نانوتویؒ کا تذکرہ کرتے وقت یہ الفاظ بھی آپ کے مضمون کا حصہ تھے کہ:

''علامہ عصر، فہامہ دہر، فاضل متبحر، مناظر، مباحث، حسن التقریر، ذہین، معقولات کے گویا پتلے تھے۔ آپ لڑکپن ہی سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری تھے''۔ [حدائق الحنفیہ: ۴۹۲]

۱۹)۔حافظ عبدالرحمٰن حیرت:

حافظ صاحب اپنی کتاب ''سفینۂ رحمانی'' ۱۸۸۴ء سن طباعت میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''بیشۂ فضل وکمال کے شیر، گل زارِ عشقِ الٰہی کی خوش بو، شبستان، طریقت وشریعت کی شمع، آسمانِ حقیقت و معرفت کے خورشید، عالم کامل اور جود وسخا میں رشکِ حاتم، جناب حضرت مولوی محمد قاسم صاحب (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے) قصبہ نانوتہ کے برگزیدہ علما وفضلاء میں سے تھے، طرح طرح کے علوم کی منزلیں اور قسم قسم فنون کے رموز اور ان کے نشیب وفراز انہوں نے اپنی خداداد ہمت واستعداد سے کامل طور پر طے کیے تھے، انہیں کان علوم اور مخزن فنون کہنا چاہیے، ان کی توصیف میں منشی فکر وخیال جو بھی لکھے بجا ہے اور ان کی تعریف جس قدر بھی کی جائے زیبا ہے''۔ [سفینۂ رحمانی: ۱۱۹]

۲۰)۔مرزا آفتاب بیگ:

مرزا آفتاب بیگ دہلویؒ اپنی کتاب ''تحفۃ الابرار'' سن طباعت ۱۹۵۷ء میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) رؤسائے شیوخ صدیقی قصبہ نانوتہ کے ہیں۔ آپ کو اجازت ہر چہار

طریقہ معروف کی حضرت حاجی محمد امداد اللہ سے تھی اور سند حدیث کی حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ محققانہ و عارفانہ کلام حقایق و معارف آپ کا تھا۔ اثباتِ وجودی رطب اللسان تھے، توحیدی شہودی سے بھی انکار نہیں رکھتے تھے''۔

۲۱)-مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی:

مولانا مشتاق احمد انبھٹویؒ اپنی کتاب ''انوار العاشقین'' میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی تمام عمر میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے، بوجہ کسر نفسی اور کمال تواضع کے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ بیعت بھی حضرت قبلۂ عالم حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نیابۃ کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عشق اور محبت میں فنا تھے''۔[أنوار العاشقين:۸۸]

۲۲)-مولانا حافظ شاہ محمد سراج الیقین:

آپ اپنی کتاب ''شمس العارفین'' سن طباعت ۱۳۳۳ھ میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''جس شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر سنی ہوگی یا تحریر دیکھی ہوگی وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس معدن سے یہ علوم اور اسرار و حقائق آ رہے ہیں، آپ صاحبِ تصانیف عالیہ ہیں اور آپ کے مناظروں کی تقریریں بھی چھپی ہیں، جن میں عجیب و غریب تحقیقاتِ علمیہ اور نکات عجیبہ اور مضامین رفیعہ پائے جاتے ہیں، درحقیقت ایسا فاضل متبحر اور عالم محقق اس زمانے میں کوئی نہیں گزرا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس پایہ کے لوگ کہیں صدیوں کے بعد ہوتے ہیں۔ آپ نہایت پاکیزہ اخلاق اور منکسر المزاج تھے اور لباس نہایت سادہ اور معمولی موٹا استعمال فرماتے تھے۔ اور صفتِ قناعت بھی بہ درجۂ کمال آپ میں موجود تھی، ہمیشہ معمولی تنخواہ پر بسر فرمائی اور بڑی بڑی تنخواہوں کی نوکریوں کو پسند نہیں فرمایا۔ مدرسہ عالیہ دیوبند میں عرصہ تک آپ کا درس تدریس اور بے انتہاء فیض جاری رہا۔ اکابر علما آپ کے شاگرد ہیں''۔[شمس العارفین:۴۷-۴۶]

۲۳)-سرسید احمد خان:

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی وفات پر سرسید احمد خان نے ایک طویل تعزیتی مضمون لکھا، جن میں یہ الفاظ بھی شامل تھے:

''اس زمانے میں سب لوگ تسلیم کرتے ہیں اور شاید وہ لوگ بھی جو ان سے بعض مسائل میں اختلاف کرتے تھے، تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمد قاسم اس دنیا میں بے مثل شخص تھے، ان کا پایہ اس زمانے میں شاید معلومات علمی میں شاہ عبد العزیز سے کچھ کم ہو اِلّا اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی اور نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی اسحاق صاحب سے بڑھ کر نہ تھا تو کم بھی نہ تھا، درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے اور ایسے شخص کے وجود سے زمانے کا خالی ہو جانا، ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد زندہ ہیں، نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے''۔[علی گڑھ گزٹ، ۲۴/اپریل ۱۸۸۰ء]

۲۴)-مولوی رحمٰن علی:

مولوی رحمٰن علی اپنی کتاب ''تذکرہ علمائے ہند'' جو انہوں نے ۱۸۹۱ء میں لکھی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مولوی محمد قاسم نانوتویؒ بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم نانوتوی، ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے، ان کا تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جدت طبع اور جودت ذہن (ذکاوت، ذہانت، لیاقت) فطری طور سے ودیعت (سپرد کرنا، حوالے کرنا) فرمایا تھا''۔

۲۵)-علامہ شاہ محمد جمیل الرحمٰن حنفی قادری چشتی نظامیؒ:

آپ اپنی کتاب ''تذکرہ وصال الجمیل'' جو آپ نے ۱۳۴۳ھ میں تالیف فرمائی، اس کتاب میں آپ نے حضرت نانوتویؒ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''مولانائے موصوف عالم فاضل اور مشہور مناظر ہونے کے علاوہ نہایت عابد، زاہد، قانع، متوکل، نہایت خلیق واقع ہوئے تھے۔ عربی، فارسی نظم ونثر بے تکان لکھتے بولتے تھے، سیدھے سادے اتنے تھے کہ آپ کی وضع طرح پر علمیت کا گمان بھی نہ ہوتا تھا''۔

۲۶)-حضرت شاہ عبدالرحیم سہارن پوریؒ:

مولانا محمد امیر باز خانؒ ''شہادات امیریہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''خبر حسرت اثر مولانا واستاذنا مولوی محمد قاسم نانوتویؒ صاحب کی آئی تو حضرت (شاہ عبدالرحیم سہارن پوریؒ) نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ آج میری پشت دو صدموں سے ٹوٹی ہے: ایک مرگ مولوی محمد قاسم کی ہے، دوم رحلت مولوی احمد علی صاحب (سہارن پوری) سے۔ یہ دونوں بزرگ وار بے ریا، متبع شریعت، مفیض اکمل تھے، مجھ کو ان کے باعث بڑی تقویت تھی۔ اب میں تنہا رہ گیا''۔ [شہادات امیریہ علی مکشوفات رحیمیہ: ۱۴]

۲۷)-حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی:

حضرت گنج مراد آبادیؒ کے خلیفہ مولانا شاہ تجمل حسین بہاریؒ اپنی تالیف 'کمالاتِ رحمانی' میں لکھتے ہیں:

''اب بیعت کا جو عزم ہوا مجھ کو (مولانا شاہ تجمل حسین بہاریؒ) عقیدت اور غلامی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے تھی۔ آپ کو (حضرت گنج مراد آبادیؒ) کو کشف سے معلوم ہوا، آپ نے حضرت مولانا کی تعریف کی کہ اس کم سنی میں ان کو ولایت حاصل ہو گئی''۔

۲۸)-مولانا محبوب الرسول صاحب الہ شریف ضلع جہلم:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو میں اولیاء سے سمجھتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی آیت تھے، اسلام

اور علم کی جوان سے اللہ تعالیٰ نے خدمت لی ہے وہ انہی کا حصہ ہے''۔[ڈھول کی آواز: ۱۱۷]

۲۹)- پیر محمد کرم شاہ الازہری بھیرہ شریف:

''حضرت قاسم العلومؒ کی تصنیف لطیف مسمی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف اور سرور حاصل ہوا۔ علماء حق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام متشابہات میں سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیطۂ امکان سے خارج ہے، لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کے لیے سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ رہے فریفتہ گان حسن مصطفوی تو ان بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی وارفتگیوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس تحذیر الناس میں موجود ہے۔ آپ نے اپنے علمی، دقیق اور محققانہ انداز میں یہ واضح کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہر قسم کا کمال علمی ہو یا عملی، حسی ہو یا معنوی، ظاہری ہو یا باطنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی کمال ہے''۔

[ڈھول کی آواز: ۱۲۸-۱۳۰]

۳۰)- علامہ شبلی نعمانیؒ:

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ندوۃ العلماء کے ایک سالانہ جلسے میں کہا تھا:

''عربی کے بیسیوں مدرسے کانپور میں قائم ہیں وہ کس نے قائم کیے ہیں؟ سوداگروں نے، دنیا داروں نے، ۔۔۔۔۔۔کسی عالم نے نہیں قائم کیے۔ سوائے مدرسہ دیوبند کے، جس پر ہم فخر کرتے ہیں جس کو مولانا قاسم مرحوم نے قائم کیا تھا۔ علاوہ اس کے مدرسہ کسی عالم نے قائم نہیں کیا''۔

[رپوٹ سالانہ ندوۃ العلماء ۱۹۱۲، ص: ۱۰۹، ۱۱۰]

۳۱)- مولانا غلام رسول مہر:

مولانا غلام رسول مہر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''بزرگان دیوبند میں سے جن مقدس ہستیوں کو اولین درجہ احترام واعزاز حاصل ہے، وہ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں رحمۃ اللہ تعالی علیہم۔ ان کے اسماء گرامی اس سرزمین کے آسمانوں پر ان درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں، جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندر میں ملاحوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیوں میں علم و ہدایت کے مشعل بردار تھے، جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد کی تو ایک یادگار دارالعلوم دیوبند ایسی ہے جو تقریباً ایک صدی سے اس وسیع سرزمین میں دینی علوم کے قیام و بقا کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے۔ اس کی آغوش میں سینکڑوں ایسی مقدس ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے دین و سیاست دونوں کے دوائر میں قابل فخر ہیں''۔ [۱۸۵۷ء کے مجاہد: ۱۶۳، سن اشاعت: ۱۹۵۷ء]

۳۲)- سائیں توکل شاہ انبالویؒ:

مولانا مشتاق احمد چشتی انبیٹھوی مؤلف ''انوار العاشقین'' فرماتے ہیں:

''حضرت عارف باللہ شیخی توکل شاہ صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے عاجز سے فرمایا تھا کہ میں نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تو جہاں پائے مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑتا ہے وہاں دیکھ کر پاؤں رکھتے ہیں، میں بے اختیار بھاگا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچوں، چناں چہ میں آگے ہوگیا''۔ [انوار العاشقین: ۸۸]

یہ چند باتیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ہم عصر اور بعد کے علما اور مشائخ کی ہیں۔ جن میں ان حضرات کے بھی نام شامل ہیں، جن کے عقیدت مند آج حضرت نانوتویؒ کے خلاف زہر اگلتے نہیں تھکتے۔

آخر میں اپنی بات حدیث قدسی پر ختم کرنا چاہوں گا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو پکارتا ہے، جبرئیل علیہ السلام کو اور یہ فرماتا ہے کہ بے شک اللہ نے فلاں کو دوست رکھا ہے سو تو بھی اس کو دوست رکھ، تو جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، سو تم بھی اس سے محبت کرو، تو آسمان والے اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس محبوب بندے کی قبولیت زمین پر اتاری جاتی ہے، یعنی زمین کے نیک لوگ اس کو مقبول جانتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور جب اللہ کسی سے ناراض ہوتا ہے تو بھی اس طرح کرتا ہے یعنی اس کا الٹ''۔

[مؤطا امام مالک، جلد ا، حدیث نمبر: ۱۶۴۱]

اپنے بہت ہی محدود مطالعے پر چند حوالے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے محبت کرنے والے اور مقبول جاننے والے علما و مشائخ کے، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے چاہنے والوں کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں میں ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اپنے اس محبوب بندے کے چاہنے والوں میں ہمارا شمار کر کے ہماری بخشش کا پروانہ جاری کر دے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

اعتذار و اطلاع

یہ نظر شمارہ دو شماروں (سلسلہ اشاعت نمبر ۷۱، ۷۲) پر مشتمل ہے۔ شمارہ ۷۱ بوجوہ بروقت شائع نہ ہوسکا، نہ ہی اس کی پیشگی اطلاع قارئین کو دینا ممکن ہوا۔ اِس پر ادارہ قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان

اللہ تعالی کے لیے......لفظ 'خدا' کا اطلاق

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين، أمابعد!

محترم جناب رشید اللہ یعقوب صاحب آف کراچی رحمۃ للعالمین ریسرچ سنٹر کے نگران ہیں، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں اور مفت تقسیم کی ہیں جو اچھا اقدام ہے، مگر اب لفظ 'خدا' کو اللہ تعالی کے لیے استعمال کرنے کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں، اس بارے میں انہوں نے متعدد کتابچے تحریر کیے...... ''اللہ رب العالمین، خدا، یا گوڈ'' ...... ''اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ اور خدا'' ...... ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' ...... اِن کتابوں کے مضامین کا حاصل کچھ یوں ہے:

(۱)......قرآن وسنت وآثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں اللہ تعالی کی ذات کے لیے ''خدا'' استعمال نہیں ہوا۔

(۲)......قرآن وسنت کا تقاضا یہ ہے کہ لفظ ''خدا'' استعمال نہ کیا جائے۔

(۳)......اہل السنّت والجماعت وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی سنت اور صحابہ کی سنت پر چلتے ہوں، اور نبی ﷺ اور صحابہ کی سنت ''اللہ'' کا استعمال ہے، اللہ بولنا سنتِ مؤکدہ ہے، لفظ 'خدا' سنت کے خلاف ہے۔

(۴)......لفظ خدا مجوسیوں کے معبود کا نام ہے، اور اُن کی مشابہت ناجائز، اور مخالفت لازم ہے۔

الغرض لفظ 'اللہ' کہنے کو حق اور لفظ 'خدا' کو باطل کہتے ہیں اور یہ کہ مجوسیوں کے معبود کا نام خدا ہے، اور کہتے ہیں کہ لفظ خدا بے عیب نہیں بلکہ عیب دار ہے، وغیرہ۔

راقم ایسی کتاب پہلی بار دیکھنے پر کافی پریشان سا ہوگیا کہ رشید اللہ صاحب نے یہ کیا کہہ دیا کہ اللہ تعالی کے لیے لفظ ''خدا'' بولنا درست نہیں، ان کو چاہیے تھا کہ امت کو اس تشویش میں ڈالنے کے بجائے پہلے کی طرح کوئی اہم اور ضروری مضمون زیب قرطاس کر کے معلومات میں اضافہ اور عقائد اسلامیہ میں پختگی کا سامان مہیا کرتے، اس تحقیق کے دوران رشید اللہ صاحب بے حد جذباتی ہوئے ہیں، اور علماء ومفتیان کو کافی کوسا ہے، چنانچہ کہتے ہیں:

''مفتی صاحبان نے ایسا انداز عیسائی صاحبان سے مستعار لیا ہے۔'' [ص:۱۸۵،۱۸۶] نیز رشید اللہ صاحب کا خیال ہے کہ:

''لفظ خدا پر اصرار کرنے والے ''اِتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کے خلاف ''نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآءَ نَا'' کا مصداق ہیں اور ان کا قول وفعل سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ اور ائمہ اربعہ کے خلاف ہے۔'' [ص:۱۸۲]

ساری کتاب پڑھ جائیں تو یہ نظر آئے گا کہ رشید اللہ صاحب نے کتاب ''فرہنگ فارسی'' پر اپنے خیال کا مدار رکھ کر پوری کتاب لکھ ڈالی کہ فرہنگ فارسی سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ خدا مجوسیوں کے معبود کا نام ہے، اور مجوسیوں کی مخالفت کرنا شریعت کا حکم ہے، اوران کی موافقت جائز نہیں بلکہ باطل ہے، لہٰذا اللہ تعالی کے لیے لفظ خدا کا استعمال ناجائز اور باطل ہے، اور جو علماء اس کے جواز کا فتوی دیتے ہیں ان کا فتوی بے تحقیق ہے، لہٰذا وہ اپنے فتوے پر غور کریں۔

حالانکہ رشید اللہ صاحب کو سوچنا چاہیے کہ ''فرہنگ فارسی'' قرآن مجید کی طرح کوئی وحی تو نہیں کہ اس پر مدار رکھ کر لفظ خدا کو 'ناجائز' کہہ دیا جائے؟ اور فرہنگ کے مؤلف ڈاکٹر معین وغیرہ کوئی صحابیِ رسول ہیں کہ اس کی تحریر حدیثِ نبوی بن گئی کہ نتیجہ یہ نکالا کہ بس **مَـا اَنْـزَلَ اللّٰـهُ** کی اتباع لفظ 'خدا' نہ بولنا ہے، اور اس کو بولنا **مَـا اَنْـزَلَ اللّٰـهُ** کو چھوڑنا ہے۔ آخر لغت کی دوسری کتابیں بھی تو ہیں، پھر بالفرض اگر لفظ 'خدا' پہلوی زبان کا لفظ بھی ہو اور پھر فارسی میں دخیل ہوا ہو تو بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ دوسری زبان میں اس کا کونسا معنی کثیر الاستعمال اور معروف ہے؟ ظاہر ہے کہ وہی مراد ہوگا، پہلا معنی مراد نہیں ہوگا، قبل اس کے کہ مزید بحث کی جائے، یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اکابرین اسلاف کی کتابوں میں لفظ خدا کا ذکر ملتا ہے یا نہیں؟ یہ انتہائی مشکل مسئلہ ہے، مگر **مَـنْ جَدَّ وَجَـدَ** کے مطابق بڑی جدوجہد کے بعد راقم کو کچھ حوالے ملے، پیش خدمت ہیں، اور اُن سے حاصل ہونے والے فائدے بھی عرض کیے جاتے ہیں۔

(۱)...... **ذكره عبدالرحمن قال ثنا أبي قال ثنا محمد بن عيسى الدامغاني قال حدثني أبوبكر صالح المروزي وكان صاحب قرآن قال دس الجهمية إلى ابن المبارك رجلاً، فقال: يا أباعبدالرحمن! خدارا بآن جهان چوں بينند؟ قال: بجشم، يعني كيف نرىٰ ربنا يوم القيامة؟ قال: بالعين** [شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة: **۵۵۹/۳ وسندهٗ صحيح**] امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنے والد سے روایت بیان کی کہ مجھے محمد بن عیسی دامغانی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے صالح مروزی نے بیان کیا وہ صاحب قرآن تھے کہ جہمیہ نے ایک آدمی کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے پاس گھسایا، اُس نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! خدا کو اُس جہان میں کیسے دیکھیں گے؟ فرمایا آنکھ سے، مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے رب کو قیامت کے دن کیسے دیکھیں گے؟ فرمایا آنکھ سے دیکھیں گے۔

اس روایت کو کتاب میں لکھنے والے ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور طبری رازی الکائی [متوفی ۴۱۸ھ] ہیں یہ چوتھی اور پانچویں صدی کے محدث ہیں، یہ شافعی مسلک کے فقیہ ہیں، اگر لفظ خدا ناجائز ہوتا یا غلط مفہوم رکھتا ہوتا تو امام الکائی کم از کم اِس روایت میں موجود اِس لفظ کے خلاف کچھ تو لب کشائی کرتے؟ پھر پوچھنے والا تو جہمی شخص ہے مگر اُس کو جواب دینے والا اور اُن کی زبان سے لفظ خدا سننے والا اور

کچھ تنقید نہ کرنے والا حضرت عبداللہ بن مبارک بن واضح حنظلی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) جیسا امام اعظم کا مایہ ناز شاگرد ہے، یہ سنہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے، یعنی دوسری صدی کے محدث وفقیہ ہیں، روایت میں اگر سائل کے کلام میں لفظ 'خدا' ناجائز ہوتا اور غلط مفہوم رکھتا تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ جیسے محدث اور فقیہ ضرور اُس پر ٹوکتے۔ درمیان کے راوی دیکھیں تو امام الکائی امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم سے روایت کر رہے ہیں، یہ ابن ابی حاتم امام شیخ الاسلام حافظ ہیں، سنہ ۲۴۰ھ کو پیدا ہوئے، سنہ ۳۲۷ھ کو فوت ہوئے، تیسری و چوتھی صدی کے محدث عظیم شافعی فقیہ ہیں، وہ اپنے والد ابوحاتم محمد بن ادریس رازی رحمہ اللہ سے روایت کر رہے ہیں، یہ شیخ المحدثین امام بخاری کے ہم پلہ ہیں سنہ ۱۹۵ھ کو پیدا ہوئے، دوسری و تیسری صدی کے محدث ہیں۔

امام ابوحاتم روایت کرنے والے ہیں ابوالحسین محمد بن عیسی بن زیاد دامغانی رحمہ اللہ سے، یہ امام ابن جریر طبری اور نسائی وابوحاتم وابن خزیمہ وغیرہم جیسے محدثین کے اساتذہ میں سے ہیں، اور امام سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ کے شاگرد ہیں، ثقہ ہیں، اِن کا سن ولادت وسن وفات معلوم نہیں ظاہر یہ ہے کہ دوسری صدی کے محدثین میں سے ہیں۔

حاصل یہ کہ اِس روایت کے راوی دوسری، تیسری، چوتھی پانچویں صدی کے محدثین ہیں، لفظ خدا روایت کرتے رہے، اور سنتے رہے مگر اُس کے خلاف ایک لفظ نہیں بولا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جیسے سائل نے فارسی زبان میں سوال کیا حضرت عبداللہ بن مبارک نے بھی فارسی میں جواب دیا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات فارسی زبان جانتے تھے، اور فارسی میں لفظ خدا اُس وقت بھی استعمال ہوتا تھا اور یہ حضرات اُس کا معنی مفہوم جانتے تھے، اور ظاہر ہے کہ جب حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ کے سامنے لفظ خدا بولا گیا تو امام ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد بن حنبل اور امام محمد بن حسن وابویوسف یعقوب رحمہم اللہ جیسے فقہاء کے سامنے بھی ضرور بولا گیا ہوگا، اگر اتنا برا ہوتا جتنا یہ صاحب سمجھ رہے ہیں تو اِن حضرات ائمہ سے اُس کے برا ہونے سے متعلق کوئی تو روایت ہوتی، یہی تو اِس کے جواز اور جواز پر اجماع کی دلیل ہے۔

اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رشیداللہ صاحب کی قلتِ معلومات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالی کے لیے لفظ 'خدا' کے اطلاق کو چوتھی صدی سے شروع ہونا بتاتے ہیں، اگر بالفرض ایسا ہو تو کیا جناب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چوتھی صدی کے علماء فقہاء سے لے کر آج پندرھویں صدی تک کے علماء لفظ 'خدا' کے متعلق باوجود برا ہونے کے خاموش تماشائی بنے رہے؟ کیا آپ اُمت کو علماء فقہاء سے بدظن کرنے کی تحریک کا حصہ تو نہیں بن رہے؟

(۲)...... امام ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) ابوبکر عبداللہ بن محمد سے وہ ابوطالب عبداللہ بن احمد بن سوادہ سے وہ عیسی بن ابی حرب سے وہ اپنے باپ ابوحرب سے وہ عن رجل وہ ان کے والد حرب سے روایت کرتے ہیں کہ

ہم لوگ حبیب ابومحمد کے پاس تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا میرے پاؤں میں درد ہے، انہوں نے اُس کو بٹھالیا، جب لوگ چلے گئے، کھڑے ہوئے اور گردن میں قرآن مجید لٹکالیا اور دعاء کی: **وقال: یاخدا! حبیب را رسوا میاش، یقول: لاتسود وجه حبیب. [حلیة الاولیاء: ۱۵۲/۶،تاریخ دمشق لابن عساکر: ۵۱/۱۲]** عرض کیا: اے خدا! حبیب کو رسوا نہ کرو، اے اللہ اِس کو عافیت دے دے، تو وہ آدمی واپس ہوا تو اُس کے پاؤں میں درد نہ تھا۔

اللہ کے ولی حبیب ابومحمد رحمہ اللہ نے اے خدا اور اے اللہ! دونوں الفاظ استعمال فرمائے، روایت کی سند اور راوی خواہ کیسے ہی ہوں، خواہ فرض کرو کہ یہ روایت من گھڑت ہے توجہ کے قابل یہ بات ہے کہ امام ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ جو چوتھی و پانچویں صدی کے محدث عظیم ہیں، اور امام ابوالقاسم ابن عساکر (۵۷۱ھ) جو چھٹی صدی کے محدث عظیم ہیں، اِن دونوں اکابرین نے اِس روایت کو ذکر کر کے لفظ خدا پر ذرا سا تبصرہ بھی نہیں کیا۔

(۳)...... امام ابن جوزی رحمہ اللہ ذکر فرماتے ہیں: **علی بن المثنی قال: سمعتُ عمی یقول: سمعتُ أبی یقول: سمعتُ أبا یزید یقول: رأیتُ رب العزة تبارک وتعالی فی المنام فقلتُ: یا بارخدا! کیف الطریق إلیک؟ قال أترک نفسک وتعال. [صفة الصفوة: ۲۶۴/۲ مکتبہ عصریہ]** علی بن المثنی اپنے چچا سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا میں نے حضرت ابویزید بسطامی رحمہ اللہ سے سنا فرما رہے تھے کہ میں نے اللہ رب العزت کی خواب میں زیارت کی تو عرض کیا اے عزت والے خدا! آپ تک پہنچنے کا راستہ کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے نفس (خواہش) کو چھوڑ دو اور آ جاؤ۔

حضرت بایزید بسطامی بہت بڑے ولی اللہ ہیں، اور وہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی دربار میں ہی اللہ تعالیٰ کو خدا کہہ کر عرض پیش کرتے ہیں، کیا جواز کے لیے اِس سے زیادہ بہتر ثبوت ہوسکتا ہے؟ پھر امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) جیسے متشدد فقیہ محدث اِس روایت کو لکھ کر لفظ 'خدا' کے خلاف کوئی ایک کلمہ نہیں لکھ لیتے، کیا یہ جواز کی دلیل نہیں ہے؟ کیا کہا جاسکتا ہے کہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ کو لفظ 'خدا' کا معنی مفہوم معلوم نہیں تھا؟

(۴)...... علامہ ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان برمکی (متوفی سنہ ۶۸۱ھ) شیخ ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج فقیہ شافعی (متوفی ۳۰۶ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں:

رأیت فی بعض الأجزاء أنه کان عجمیاً لایعرف بالعربیة شیئاً، وأنه رأی الباری سبحانه وتعالی فی النوم وحادثه وقال له فی الآخر: یاسریج! طلب کن، فقال: یا خدا! سر بسر، قالهاثلاثاً. وهذا لفظ أعجمی معناه بالعربیة یاسریج أطلب، فقال یا رب رأس برأس،

ثم وجدت فی تاریخ بغداد أن صاحب المنام المذکور هو سریج بن یونس بن إبراهیم بن الحارث المروزی الزاهد العابد صاحب الکرامات، وکانت وفاته فی شهر ربیع الأول سنة خمس وثلاثین ومأتین ببغداد رحمه الله. [وفیات الاعیان:۱/۶۷] بعض اجزاء میں میں نے دیکھا کہ یہ عجمی تھے عربی کچھ نہیں جانتے تھے اور انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی، اور ہم کلام ہوئے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا: اے سریج مانگ! عرض کیا: اے خدا! برابر سرابر معاملہ فرمالے، تین بار فرمایا۔ پھر میں نے تاریخ بغداد میں یہ پایا کہ یہ خواب والے سریج بن یونس بن ابراہیم بن حارث مروزی ہیں، جو زاہد عابد صاحب کرامات ہیں، جن کی وفات ربیع الاول سنہ ۲۳۵ھ میں بغداد میں ہوئی۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ سریج بن یونس محدث ولی کا ہے یہ تیسری صدی کے بزرگ ہیں اور خواب میں خود اللہ تعالیٰ سے 'اے خدا' کہہ کر عرض کرتے ہیں، نہ لفظ 'خدا' کو بے ادبی سمجھتے ہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ لفظ 'خدا' کہنے پر برا مناتے ہیں، پھر اِس کو نقل کرنے والے امام ابن خلکان ساتویں صدی کے محدث و مؤرخ بڑے عالم ہیں، اور یہ واقعہ اِنہی لفظوں میں علامہ یوسف بن تغری ابوالمحاسن جمال الدین (متوفی ۸۷۴ھ) نے ''النجوم الزاهرة فی ملوك مصر والقاهره'' [۲/۲۸۱] میں اور علامہ محمد بن یوسف بن یعقوب یمنی (متوفی ۷۳۲ھ) نے ''السکوك فی طبقات العلماء والملوك'' [۱/۲۲۶] میں بھی بیان کیا ہے، یہ آٹھویں نویں صدی کے اسلاف ہیں۔

یہ سب بھی بیان کرتے ہوئے لفظ 'خدا' پر کوئی تبصرہ و تنقید نہیں کرتے، کیا اِن کو فارسی نہیں آتی تھی؟ ابن خلکان اور یوسف بن تغری اور محمد بن یوسف یمنی تو فارسی الفاظ کا عربی میں ترجمہ کر رہے ہیں اور 'یا خدا' کا معنیٰ 'یارب' سے کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ اِن حضرات کو فارسی زبان سے پوری واقفیت تھی اگر لفظ 'خدا' بے ادبی ہوتا یا کم از کم مکروہ تنزیہی کے درجے کا بھی ہوتا تو بھی یہ حضرات سکوت نہ اختیار کرتے بلکہ ضرور وضاحت کرتے، کیا یہ جواز کی دلیل نہیں بن سکتی؟

یاد رہے کہ اِس واقعہ کے راوی مضبوط ثقہ ہیں جیسا کہ مختلف کتبِ تاریخ و اسماء الرجال (تاریخ بغداد وغیرہ) سے ظاہر ہے۔

مزید ہم نے کوشش کی کہ دیکھیں کہ اسلاف میں بڑے بڑوں کے ناموں میں لفظ 'خدا' استعمال ہوا یا نہیں؟ تو ایسا پایا کہ:

۱)۔ خداداد بن عاصم نسوی فقیہ پانچویں صدی کے ہیں۔ [التدوین فی اخبار قزوین: ۲/۴۸۷]

۲)۔ خدادوست بن باموسی دیلمی ابوالفضل محدث پانچویں صدی کے ہیں۔ [ایضاً: ۲/۴۸۷]

۳)۔ ابوالحسین خدادوست بن اصفهند دیلمی محدث ہیں۔ [ایضاً: ۱۹/۸۹، تاریخ بغداد: ۱۹/۸۹]

۴)۔ابوالحسین خداد وست بن اسفہ فیروز [۲۸۶/۱]

۵)۔شیخ خدا بخش خیر پوری (متوفی سنہ ۱۳۰۵ھ) بڑے ولی اور عالم ہوئے۔[نزھۃ الخواطر:۱۲۹۹/۸]

۶)۔شیخ علامہ خدا بخش امیٹھوی (متوفی ۱۲۵۶ھ) [ایضاً:۹۶۲/۷]

۷)۔الشیخ خدا بخش چشتی ملتانی (متوفی ۱۲۵۳ھ) [حوالہ بالا]

۸)۔الشیخ خدا بخش سندھی (متوفی ۱۲۶۹ھ) [ایضاً]

کچھ مزید جستجو کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکابر اسلاف کی بعض کتابوں کی بسم اللہ کے بعد اللہ تعالی کی حمد کی ابتداء لفظ ’خدا‘ سے ہوئی ہے، چنانچہ:

۱)......حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

الشیخ ادیب ابوالفضل حبیش بن ابراہیم بن محمد تفلیسی نے لغت عربی پر عمدہ بے نظیر کتاب لکھی جس کا نام **قانون الأدب في ضبط كلمات العرب في لغة الفرس** ہے،اس کتاب میں ابتداء ان الفاظ سے کی:**سپاس خدا (خدارا) كه قادر بر كمالست...الخ** [کشف الظنون:۱۳۱۰/۲] شیخ ابوالفضل حبیش چھٹی ساتویں صدی کے بزرگ ہیں۔

۲)......علامہ اسماعیل بن محمد امین بابانی بغدادی (م ۱۳۹۹ھ) لکھتے ہیں:

کتاب کشف الحقائق تصوف میں شیخ عبدالعزیز بن محمد نسفی صوفی کی کتاب ہے جس کے لکھنے سے سنہ ۶۸۰ھ میں فارغ ہوئی، کتاب کی ابتداء ان لفظوں سے کی **حمد و سپاس بے نهايه خدائے را كه**.... [إيضاح المكنون:۳۵۹/۴] یہ بزرگ ۶۸۶ھ میں فوت ہوئے یعنی ساتویں صدی کے بزرگ ہیں،

مزید وہ سب کتابیں جو فارسی زبان میں ہمارے اکابرین اہل سنت نے لکھیں، اُن کا ایک ایک صفحہ لفظ ’خدا‘ کے جواز کا گواہ ہے، وہ لفظ خدا کثرت سے استعمال کرتے ہیں، علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) کی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، حضرت احمد بن عبدالاحد مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات، مولانا جلال الدین محمد بن محمد بلخی رومی (متوفی ۶۷۰ھ) کی مثنوی، خواجہ فریدالدین عطار (متوفی ۶۲۷ھ) کا پندنامہ، شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ) کی گلستان بوستان وغیرہ ملاحظہ کریں۔

مگر مجذوبانہ واویلا یہ ہے کہ:’’اگرچہ انہوں نے فارسی میں یہ کتابیں لکھیں مگر اُنہیں لفظ ’خدا‘ کا صحیح مفہوم معلوم نہیں تھا، وہ گویا پوری فارسی نہیں جانتے تھے، یا وقت کی حکومتوں سے مرعوب رہے، یا ایسے ہی ایک چلتی رِیت کے پیچھے چلتے ہوئے لفظ ’خدا‘ کا استعمال کرتے رہے اور اِس کو عام کر گئے، ہم اُن سے بدظنی بھی نہیں کرتے، بس جی! اللہ تعالی اُنہیں اِس غلطی پر معاف فرمائے۔‘‘

لفظ خدا کس زبان کا لفظ ہے؟

لفظ 'خدا' اگر ''فرہنگ فارسی'' کے مطابق ''پہلوی'' زبان کا لفظ ہے تو دوسری کئی لغات اس کو فارسی کا لفظ بتاتی ہیں، مشہور لغت 'فیروز اللغات] اور 'لغت فرہنگ فارسی خورد مؤلفہ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب' اور 'غیاث اللغات' اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ [تفسیر کبیر: ۱/۱۰۱ میں] اس کو فارسی کا لفظ کہتے ہیں، اگر 'پہلوی' زبان کے بعد فارسی میں آیا ہو تو اور اگر فارسی زبان کا ہی ہو تو اس کا وہ معنی ہی دیکھا جائے گا اور اُسی کے اعتبار سے اِس پر حکم لگایا جائے گا جس کے لیے مسلمان استعمال کرتے ہوں، ظاہر ہے کہ مسلمان اِس سے اللہ تعالی مراد لیتے ہیں، نہ ہی کوئی بت مراد لیتے ہیں نہ اللہ کے سوا کوئی اور ہستی، تو اِس کا حکم عدم جواز کا کیوں ہوگا؟ اگر مشابہت سے، تو مشابہت غیر مسلموں سے تب تک ناجائز ہے جب تک وہ غیر مسلموں کی ہی علامت ہو، اور جب ایک بات اُن کی علامت نہ رہے اور مسلمانوں میں بھی وہ ہو تو مشابہت سے ناجائز ہونے کا حکم نہ رہے گا۔

لفظ 'خدا' اللہ کے کون سے نام کا معنی ہے؟

(۱)...... ہمارے اسلاف کی عبارات کے مطابق یہ فارسی لفظ ہے لیکن اگر لفظ خدا 'پہلوی' زبان کا ہو جیسا رشید اللہ صاحب لکھ رہے ہیں تو بھی پہلوی زبان میں اس کا معنی **"آفرید گار جهان"** یعنی جہان کا خالق اور اللہ ہے، اور خداوند کا معنی بھی **آفرید گار جهان** اور اللہ ہے (بحوالہ فرہنگ فارسی) اور حسن عمید کی فرہنگ فارسی میں بھی خدا کا معنی الٰہ اور اللہ ہے، ایسے ہی ایزد کا پہلوی و فارسی میں معنی خدا اور خدا یکتا ہے اور داور بھی بمعنی خدا تعالیٰ ہے۔ [فرہنگ معینی و حسن عمید، اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ص ۲۴۸ تا ۲۵۰]

تو جب خدا کا معنی خالق ہے تو خدا اللہ تعالی کے نام خالق کا ترجمہ ہوا، تو خالق کو خدا سے تعبیر کرنے میں کیا خرابی ہے؟

کہتے ہیں کہ: جی 'پہلوی' زبان کے لوگ اپنے معبود اھورا مزدا کو لفظ خدا سے پکارتے تھے اور اُسی کو خالقِ کائنات سمجھتے تھے۔

(مشرکین مکہ اپنے بتوں کو رب کہتے تھے تو کیا اب اپنے رب کو رب کہنا چھوڑ دیں؟ [احسن])

جی جناب! اگر وہ لوگ خدا بمعنی خالق کائنات اپنے معبود غیرُ اللہ کو سمجھیں تو سمجھیں جب مسلمان خدا بمعنی خالقِ کائنات صرف اللہ تعالی ہی کو سمجھتے ہیں تو کیا مسلمان اللہ تعالی کو خدا کہتے ہوئے زرتشت مذہب والے اور اُن کے ہم عقیدہ ٹھہریں گے؟

اِس کا معنی یہ ہوا کہ خدا کا اصل معنی خالقِ کائنات تھا، مگر زرتشت مذہب والوں کو غلطی لگی اُنہوں نے اھورا، مزدا کو خالقِ کائنات سمجھا تو اُسی کو خدا کہنے لگے مگر مسلمان غلطی میں نہ پڑے اور انہوں نے اصل

خالقِ کائنات اللہ کو خدا بمعنی خالقِ کائنات کہا اور بالکل صحیح کہا، تو یہ کونسی عقلمندی ہے کہ غلطی کرنے والوں کے غلطی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی لفظ خدا سے روک دیا جائے تاکہ یہ بھی اُن کی طرح غلطی کر کے غیر خالق کو خدا بمعنی خالقِ کائنات نہ کہیں؟ کیا ایسا احتمال مسلمانوں سے ممکن بھی ہے؟

لہٰذا لگتا ہے کہ یہ محض وسوسہ نفسانی میں پھنس گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے آمین۔

(۲)......لفظ خدا کا معنی مالک بھی کیا جاتا ہے فارسی لغت غیاث اللغات باب خائے معجمہ ص ۲۴۳ طبع لکھنو میں ہے:

خُدا: بضم بمعنی مالک وصاحب، چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالی اطلاق نکنند مگر در صورتیکه بچیزے مضاف شود چوں کد خدا وده خدا، یعنی خدا خاء کے ضمہ کے ساتھ مالک اور صاحب کے معنی میں ہے جب لفظ خدا مطلق ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے غیر پر اس کا اطلاق نہیں کرتے، مگر جب کسی چیز کے ساتھ مضاف ہو جیسے کدخدا اور دہ خدا (کہ پھر غیر پر بولا جاتا ہے۔)

علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ رومی حموی (م ۶۲۶ھ) فرماتے ہیں:

خدابالفارسية المالک [معجم البلدان: ۱۷۳/۳] فارسی میں خدا مالک کے معنی میں ہے۔

اسی طرح غیاث اللغات میں لفظ خداوند کے متعلق بھی یہی لکھا ہے بمعنی صاحب و مالک، اور سراج اللغات کے حوالے سے بھی یہ دو معنی ذکر کئے ہیں، اس اعتبار سے خدا اور خداوند اللہ تعالیٰ کے اسم صفت مالک کا معنی ہوگا۔

قریب کے دور کے مجدد الملت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اپنے رسالہ حفظ الایمان (ص: ۱۳، طبع کتب خانہ مجیدیہ ملتان) میں 'خدا' بمعنی مالک تحریر فرمایا ہے۔

اس پر جناب کہتے ہیں کہ پھر مفسرین **مالک یوم الدین** کے معنی ''روز جزا کا خدا'' سے کیوں نہیں کرتے؟

جواب یہ ہے کہ یہ بے معنی بات ہے اگر انہوں نے مالک کا معنی مالک لکھا اور خدا نہیں لکھا تو اس سے خدا بمعنی مالک نہ ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ اور مالک کا معنی خدا لکھنا کونسا ضروری تھا کہ وہ ایسا کرتے؟

(۳)......یا پھر لفظِ 'خدا' **واجب الوجود** کا ترجمہ ہے غیاث اللغات ص ۲۴۳ میں رشیدی اور خیابان اور خان آرزو اور سراج اللغات کتابوں کے حوالے سے اور امام دوانی اور امام فخر الدین رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے

وگفته اند که خدا بمعنی خودآئنده است چه مرکب است از کلمه خود آ که صیغه امر است از آمدن وظاهر است که امر بترکیب اسم معنی اسم فاعل پیدا

میکنـدوچوں حق تعالی بظھور خود بد یگری محتاج نیست لھٰذابایں صفت خوانند

یعنی لفظ خدا کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ خدا خود آئندہ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ 'خود' 'آ' سے مرکب ہے، اور 'آ' آمدن سے امر کا صیغہ ہے اور ظاہر ہے کہ امر ترکیب اسمی میں آکر اسم فاعل کا معنی دیتا ہے (تو معنی ہوا خود آنے والا) اور چونکہ اللہ تعالی اپنے ظہور میں غیر کے محتاج نہیں ہیں اس لیے اس صفت کا اللہ تعالی پر اطلاق کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کے الفاظ یوں ہیں:

وقولهم بالفارسية 'خدا ئی' معناه أنه واجب الوجود لذاته؛ لأن قولنا 'خدا ئی' كلمة مركبة من لفظتين في الفارسية: إحداهما: 'خود' ومعناه ذات الشيء و نفسه و حقيقته، والثانية: قولنا: 'آئی' ومعناه جاء، فقولنا 'خدا ئی' معناه أنه بنفسه جاء، و هو إشارة إلى أنه بنفسه وذاته جاء إلى الوجود لابغيره، وعلى هٰذا الوجه فيصير تفسير قولهم 'خدائی' أنه لذاته كان موجودا. [تفسیر کبیر :۱/۱۰۱] یعنی فارسی میں لفظ 'خدائی' (جو مخفف ہو کر 'خدا' رہ گیا) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی واجب الوجود لذاتہ ہے کیونکہ یہ کلمہ فارسی میں دو لفظوں سے مرکب ہے، ایک لفظ 'خود' ہے جس کا معنی چیز کی ذات اور حقیقت، اور دوسرا لفظ '' آئی '' ہے جس کا معنی ہے آیا، تو خدائی کا معنی ہوا وہ جو بذاتہ آیا، یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات اپنے وجود میں غیر کے بغیر آئی ہے، اس معنی کے اعتبار سے خدائی کا معنی ہے کہ وہ لذاتہٖ موجود ہوا۔

اللہ تعالی کی صفت واجب الوجود:

اس معنی کے متعلق رشید اللہ صاحب کہتے ہیں:

''یہ (واجب الوجود ہونا) ایک یونانی نظریہ ہے یونانی فلسفیوں کا اس بارے میں یہ قول تھا کہ اللہ تعالی کی ذات ہر اعتبار سے واحد بلکہ واجب الوجود ہے۔ [بحوالہ معتزلہ کی تاریخ:۱۰۸] اور خدا وحدت کی نہیں ثنویت کی علامت ہے دیگر یہ کہ واجب الوجود نہ تو اسماء صفات میں اور نہ اسماء الحسنٰی میں شامل ہے۔ [۱۴۲]

اسکا مطلب یہ ہوا کہ جناب والا اللہ تعالی کے واجب الوجود ہونے کے منکر ہیں، اللہ کے بندے! کم از کم واجب الوجود کے معنی کی تحقیق تو کی ہوتی ایک کتاب '' معتزلہ کی تاریخ '' نے جناب کو بتایا کہ یہ یونانیوں کا نظریہ ہے، حالانکہ اس کتاب کی یہ بات ہی بہت بڑا جھوٹ ہے، اور یہ مسئلہ عقیدہ کا تھا، اور عقیدہ کے باب میں قرآن وسنت اور اس کے ماہرین کی بات لی جاتی ہے مگر جناب نے مذکور کتاب کی بات پر عقیدہ رکھ لیا، قرآن وسنت کے ماہرین سے تحقیق کر لیتے کہ صحیح نظریہ کیا ہے؟ اب سنیئے کہ واجب الوجود کا معنی ومطلب کیا ہے؟

اللہ تعالی کے اسماء حسنی بہت سے ہیں جن میں سے چند کا معنی سمجھئے پھر واجب الوجود سمجھ آجائے گا

(۱)......اسماء حسنیٰ میں سے ہے **الاوّل** جس کا معنی **لم یزل** یعنی ہمیشہ سے ہے اور اس کے وجود کی ابتداء نہیں۔

(۲)...... **الآخر** جس کا معنی **الدائم** ہمیشہ رہنے والا جس پر عدم وفنا محال ہے جس کے وجود کی انتہا نہیں، ان دونوں اسماء حسنیٰ کی تشریح نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کرتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ارشاد نبوی منقول ہے: **اللہ کان قبل کل شیءٍ وھو خالق کل شیءٍ وھو کائن بعد کل شیءٍ.** [الأسماء والصفات للبیھقی :۲۲] اللہ تعالی کی ذات ہر چیز سے پہلے تھی، اور وہ ہر چیز کا خالق ہے، اور وہ ہر چیز کے بعد بھی موجود رہنے والا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ امام حلیمی رحمہ اللہ سے ان دونوں اسماء کا معنی نقل کرتے ہیں:

فالأول ھو الذی لاقبل له والآخر ھو الذی لابعد له. [الأسماء والصفات: ۲۳]

'الاول' وہ ہے جس کیلئے **قَبلُ** نہیں اور **الآخر** وہ ہے جس کیلئے **بَعْدُ** نہیں ہے۔

(۳)...... **المتعال** اس کے کئی معنی ہیں جن میں سے ایک معنی ہے **تعالیٰ عن الزوال بالذات والصفة** اللہ تعالی ذات وصفت میں زوال سے پاک ہے۔

(۴)...... **الحق** جس کا معنی **ھو الموجود حقاً** وہ ذات جو واقعۃً حقیقی وجود والا ہے۔

(۵)...... **الحی** کا معنی **لم یزل موجودًا** ہمیشہ سے موجود ذات، امام بیہقی رحمہ اللہ امام ابو سلیمان خطابی رحمہ اللہ سے اس کا معنی نقل کرتے ہیں: **الحی فی صفة اللہ سبحانه ھو الذی لم یزل موجوداً وبالحیاۃ موصوفاً لم تحدث له الحیاۃ بعد الموت ولایعترضه الموت بعد الحیاۃ.** [الأسماء والصفات :۳۲] اللہ تعالی کی صفت **حی** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہمیشہ سے وجود والا اور حیات سے موصوف ہے جس کو موت کے بعد حیات حاصل نہیں ہوئی اور نہ حیات کے بعد موت عارض ہوگی۔

(۶)...... **القیوم** کا معنی امام خطابی رحمہ اللہ سے یہ نقل ہے **القائم الدائم بلازوال** وہ ذات جو قائم اور ہمیشہ رہنے والی ہے جس کو زوال نہیں۔

(۷)...... **الباقی** کا معنی **الذی دام وجودہ** جس ذات کا وجود دائمی ہے۔

(۸)...... **القدیم** کا معنی **الموجود لم یزل** ہمیشہ کے وجود والا، امام حلیمی رحمہ اللہ سے امام بیہقی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں: **أنه الموجود الذی لیس لوجودہ ابتداء والموجود الذی لم یزل.** اللہ وہ موجود ذات ہے جس کے وجود کی ابتداء نہیں اور ایسا موجود جو ہمیشہ موجود رہے گا۔

اللہ تعالی کے یہ اسماء اور ان کے یہ معانی امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان کی پہلی جلد اور

الأسماء و الصفات اور الاعتقاد ص ۱۷/تا ۲۴/میں ذکر فرمائے ہیں، ان سب اسماء حسنیٰ کا حاصل مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تھا جب کچھ نہ تھا اور اس وقت ہوگا جب کچھ نہ ہوگا، وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہاء، ذات میں دائم اور صفات میں بھی دائم ہے، یہی مفہوم ایک لفظ **واجب الوجود** میں ادا ہو جاتا ہے اور لفظ **واجب الوجود** کو امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے شمار کرتے ہوئے اس کی تشریح میں فرمایا ہے:

الاسم العاشر: قولنا 'واجب الوجود لذا ته' ومعناه أن ماهيته وحقيقته هي الموجبة لوجوده و كل ما كان كذالك فإنه يكون ممتنع العدم و الفناء، و اعلم أن كل ما كان واجب الوجودلذاته وجب أن يكون قد يماً ازلياً و لا ينعكس، فليس كل ما كان قديمًا ازليًا كان واجب الوجود لذا ته. الخ [تفسیر کبیر:۱/۱۰۰] (اللہ تعالیٰ کے (ان) اسماء میں سے (جو صفات حقیقیہ پر دلالت کرتے ہیں اور ان میں سے بھی وہ اسماء جو کیفیت وجود پر دلالت کرتے ہیں) دسواں اسم **واجب الوجودلذا ته** ہے، اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت و ماہیت ہی ایسی ہے جو اس کے وجود کا تقاضا کرتی ہے اور جو ذات ایسی ہو اس پر عدم وفنا ناممکن اور ممتنع ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو ذات **واجب الوجود لذا ته** ہو لازم ہے کہ وہ قدیم اور ازلی ہو لیکن اس کے برعکس ضروری نہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کی صفت **الحی القیوم** اور **الباقی** ذکر کر کے فرماتے ہیں:

ومعنى وصفه بذلك أنه واجب الوجود [الاعتقاد:۳۱] اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ آیۃ الکرسی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ونطقت بأنه سبحانه موجود منفرد في الوهيته حي واجب الوجود لذاته موجد لغيره. [روح المعانی: ۳/۱۱] آیۃ الکرسی نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں، اپنی معبودیت میں اکیلے ہیں، واجب الوجود لذاتہ ہیں، غیر کو وجود دینے والے ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ واجب الوجود ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس لئے حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ ایک حدیث میں مذکور دعا کا ترجمہ کرتے ہیں:

إنک أنت الله أي الواجب الوجود مفيض الكرم والجود. [شرح حصن حصین :۱۳۳]**قال الله تبارک وتعالى أناالله أي المعبودالواجب الوجود.** [مرقات ح: ۴۹۳۰] بیشک تو اللہ ہے یعنی واجب الوجود ذات ہے، اور کرم وسخا کو بہانے والا ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں:

قال الله تعالى أناالله أى المعبود الواجب الوجود. [التعليق الصبيح :۲۲۴/۵] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اللہ ہوں یعنی واجب الوجود معبود ہوں۔

اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا نواب قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں ہوں اللہ یعنی واجب الوجود۔ [مظاہر حق :۱۲۵/۴ طبع قدیم سعید کمپنی]

ان سب حوالوں سے صاف واضح ہے کہ واجب الوجود اللہ تعالیٰ کے کئی اسماء کا مفہوم ادا کرنے والا اور خصوصاً **الحی القیوم** کا مفہوم ہے، اور امام رازی کی تصریح کے مطابق اسماء حسنیٰ میں سے ہے، اور حضرات علماء کرام ''**أناالله**'' اور ''**هوالله**'' وغیرہ جیسے کلمات کے وقت لفظ اللہ کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے تعارف واجب الوجود سے کرتے ہیں، اور چونکہ خدا کا معنی بھی ایک قول میں واجب الوجود ہے تو جس طرح ان مذکورہ علماء کرام نے لفظ 'اللہ' کا مفہوم واجب الوجود سے ادا کیا ہے کہ حضرات نے کہا ہے: **هوالله أى الواجب الوجود** یہی مفہوم **هوالله**'' خداوہ ہے'' جیسے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، اس لیے لفظ خدا سے دشمنی نہ کیجیے، اور اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کے منکر نہ بنئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واقعی صفت ہے اور واقعی صفت کا انکار سخت گمراہی ہے۔

لفظ خدا کے اطلاق کے جواز پر اجماع، اور اجماع کی ایک صورت:

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ثبوت کیلئے علماء کرام نے تین مأخذ بیان فرمائے ہیں قرآن وسنت اور اجماع، لفظ 'خدا' اجماع سے ثابت ہے، یہ اجماع کہاں سے ثابت ہے؟ تو

(۱)......رشید اللہ صاحب نے مولانا محمد یونس پالن پوری صاحب کی کتاب بکھرے موتی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: 'شرح عقائد نسفی' اور اس کی شرح 'نبراس' میں ہے: **فإن قيل فكيف يصح إطلاق الموجود والقديم ونحوذلك كلفظ 'خدا' بالفارسية ممالم يرد بها الشرع ؟ قلنا: بالإجماع وهومن أدلة الشرع.** [اللہ وحدہٗ لاشریک لہ:۱۴۸]

یعنی اگر یہ سوال ہو کہ جو نام اور صفات شریعت یعنی قرآن وسنت میں مذکور نہیں مثلاً موجود اور قدیم اور دوسرے نام جیسے فارسی میں لفظ 'خدا' جن کے بارے میں حکم منقول نہیں، ان کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیسے جائز ہے؟ ہم جواب میں کہیں گے کہ ان کا جواز اجماع سے ثابت ہے اور اجماع شرعی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔

اس حوالے سے ثابت ہوا کہ لفظ 'خدا' کے اللہ تعالیٰ کے لیے بولنے پر اجماع ہے، یہاں یاد رہے کہ لفظ قدیم کا اللہ تعالیٰ کے لیے اطلاق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ [الأسماء والصفات: ۱۸، سنن ابن ماجۃ: ۳۸۶۱، مستدرک: ۱۶/۱] اس لئے یہ اسم صرف اجماع سے ثابت نہیں، ہاں اجماع سے اس

حدیث کی تقویت ہوگئی، بہرحال اس حوالے سے خدا کے اطلاق کے جواز پر اجماع کا ثبوت ہے۔

(۲)......علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس بارے میں بحث کا خلاصہ ذکر فرماتے ہیں:

خلاصة الکلام فی هٰذا المقام أن علماء الاسلام اتفقوا علی جواز إطلاق الأسماء و الصفات علی الباری تعالی إذا ورد بها الإذن من الشارع، وعلی امتناعه إذا ورد المنع عنه، واختلفوا حیث لا إذن ولا منع فی جواز إطلاق ما کان سبحانهٗ وتعالی متصفاً بمعناهٗ ولم یکن من الأسماء الأعلام الموضوعة فی سائر اللغات إذ لیس جواز إطلاقها علیه تعالی محل نزاع لأحد ولم یکن إطلاقهٗ موهما نقصًا بل کان مشعراً بالمدح فمنعهٗ جمهور أهل الحق مطلقاً للحظر. [روح المعانی :۱۲۱/۹] اس مقام میں بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علماءِ اسلام کا اتفاق ہے کہ جن اسماء کے اللہ تعالی پر اطلاق کرنے کی شارع سے اجازت منقول ہو اُن اسماء کا اطلاق اللہ تعالی پر جائز ہے، اور جن اسماء کے اطلاق کی ممانعت منقول ہو اُن کا اطلاق ممنوع ہے، البتہ اُن اسماء کے بارے میں اختلاف ہے جن کی نہ اجازت منقول ہو نہ ممانعت جب کہ اُن کے مفہوم کے ساتھ اللہ تعالی موصوف ہو، اور وہ اُن اسماءِ اعلام میں سے نہ ہو جو سب زبانوں میں اللہ کے لئے وضع ہوئے ہوں، اس لئے کہ (سب زبانوں میں وضع کئے ہوئے اسماء اعلام جو ہیں) ایسے اسماءِ اعلام کو اللہ تعالی پر اطلاق کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، اور (یہ بھی ضروری ہے) کہ ایسے اسماء اللہ تعالی پر بولنے میں نقص کا وہم نہ ہوتا ہو بلکہ تعریف بن سکتے ہوں تو (اِن کے بارے میں اختلاف ہے) جمہور اہل حق نے ممانعت آنے کی وجہ سے اِس سے منع کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن اسماء کے بارے نہ اجازت منقول ہو نہ ممانعت جب وہ اسماء کسی زبان والوں نے اللہ تعالی کے لیے مقرر کر دیئے ہوں بشرطیکہ اُن میں اللہ تعالی کی مدح ہو نقص نہ ہو اُن کا اللہ تعالی پر اطلاق بالاتفاق جائز ہے (اور اسم 'خدا' میں نقص نہیں ہے جیسا کہ آگے ذکر ہوگا) لفظ 'خدا' بھی بطور اسمِ علم اللہ تعالی کے لیے فارسی زبان میں وضع ہوا (چاہے بقول رشید اللہ صاحب ابتداء مجوس کے معبود کے لیے وضع ہوا ہو) تو اِس کے جواز میں بھی اختلاف نہیں ہے، ہاں اُن اسماء میں اختلاف ہے جن کی اجازت و ممانعت کچھ منقول نہ ہو اور کسی زبان والوں نے وضع نہ کئے ہوں اگر چہ اُن کے مفہوم سے اللہ موصوف ہو اور اُن میں اللہ کی مدح ہو نقص نہ ہو، بہرحال اُن کے اطلاق میں اختلاف ہے، جمہور منع کرتے ہیں، رشید اللہ صاحب اِس عبارت کا مفہوم غلط سمجھے ہیں، جس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

علامہ بدرالدین زرکشی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۴ھ) اس بارے میں قاضی ابوبکر رحمہ اللہ سے تین قول ذکر کرتے ہیں۔ پہلا: یہ کہ اللہ تعالی کے اسماء کا مأخذ توقیف یعنی نص ہے، کہ اللہ تعالی کی طرف سے

اجازت ہو، تو جس اسم کا اطلاق منقول ہوگا ہم اُس کا اطلاق کریں گے، اور جس سے ممانعت ہوگی ہم اطلاق نہ کریں گے، اور جس کے بارے میں کچھ حکم منصوص نہ ہو اُس کو نہ تو جائز کہیں گے نہ ہی ناجائز بلکہ توقف کریں گے۔ پھر فرماتے ہیں:

وذهب بعضهم أن كل اسم دل على معنى يليق بجلال الله وصفاته يصح إطلاقهٗ على الله بلاتوقيف؛ لأنّ أسماء الله وصفاتهٖ مذكورة بالفارسية والتركية وسائر اللغات ولم يرد شيء منها فى القرآن والحديث مع إجماع المسلمين على جواز إطلاقها على الله؛ ولأن الله تعالى قال: ولله الأسماء الحسنىٰ فادعوه بها، وحسن الاسم باعتبار دلالته على صفات المدح ونعوت الجلال، وكل اسم دلّ على هٰذه المعانى كان اسماً حسناً، فيجوز إطلاقهٗ على الله تمسكاً بهٰذه الأدلة، ولأنه لافائدة فى الألفاظ إلا رعاية المعنى، فإذا كانت المعانى صحيحة كان الإطلاق جائزاً وفى المسألة مذهب ثالث، ذهب إليه الغزالى رحمه الله وهو أنّ إطلاق الاسم على الله لايجوز إلابالتوقيف، وأما إطلاق الصفات عليه فلايتوقف على التوقيف، ففرق بين الاسم والصفة، وقال اسمى محمد، واسمک أبوبكر، فهٰذا من باب الأسماء. وأما الصفات فمثل وصف الإنسان بكونه طويلاً فقيهاً وكذا وكذا؛ لأن وضع الاسم فى حق الواحدمنا سوء أدب، ففى حق الله أولى، وأما ذكرالصفات فى حقنا بالألفاظ المختلفة فهوجائزمن غيرمنع، فكذا فى حق البارى تعالى.[معنی لاالٰہ الااللہ: ۱۴۱، دارالاعتصام قاہرہ]

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ہر وہ نام جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اللہ تعالیٰ کے جلال وصفات کے ساتھ لائق ہو اُس کا اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا بغیر توقیف (یعنی نص) کے صحیح ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات فارسی اور ترکی زبان میں اور سب زبانوں میں ذکر ہوئے ہیں اور اُن میں سے کسی کے متعلق قرآن وحدیث میں کچھ نہیں آیا، جب کہ سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اُن اسماء وصفات کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اللہ تعالیٰ کے لئے بہترین نام ہیں اُن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو پکارو'' اور کسی نام کا بہتر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ مدح اور شان والی صفات پر دلالت کرے، جو اسم بھی اِن معانی پر دلالت کرے وہ بہتر نام ہوگا تو اِن دلائل کی وجہ سے اُس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز ہے، اور اس لئے بھی کہ معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہی تو الفاظ میں فائدہ ہے، تو جب معانی صحیح ہوں تو اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز ہوگا۔ اِس مسئلہ میں تیسرا مذہب بھی ہے جس کی طرف امام غزالی رحمہ اللہ گئے ہیں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کسی اسم (عَلَم، نام) کا اطلاق جائز نہیں بغیر توقیف (نص) کے، لیکن اللہ تعالیٰ پر (اسماءِ) صفات کا اطلاق کرنے کے لئے توقیف (نص) ضروری نہیں، تو اسمِ (عَلَم) اور (اسمِ) صفت میں فرق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میرا نام محمد ہے اور (اے ابوبکر!) تیرا نام

ابوبکر ہے۔ یہ ازقبیلِ اسماءِ (اَعلام) ہے۔ رہی صفات، تو ایسے ہے جیسے انسان کی صفت بیان کریں کہ طویل قامت ہے، فقیہ ہے، وغیرہ، وغیرہ، اس لئے کہ ہم میں سے کسی کے حق میں اسمِ عَلَم وضع کرنا (گھڑنا) بے ادبی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بطریقِ اولی بے ادبی ہے، لیکن ہمارے حق میں مختلف الفاظ سے صفات ذکر کرنا جائز ہے منع نہیں ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حق میں ہے۔

اس عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱)......اگرچہ علماء کی بڑی تعداد اِس کی قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، لیکن اِس پر اجماع نہیں ہے، کیوں کہ اِس کے مقابلے میں دو قول اور بھی ہیں۔

۲)......امام غزالی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے لئے اِسمِ عَلَم اور اِسمِ صفت میں فرق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اِسمِ عَلَم صرف وہی استعمال کرنا ضروری ہے جو نص سے ثابت ہو، لیکن اِسمِ صفت کے لئے نص ضروری نہیں بغیرِ نص کے بھی ایسا اِسمِ صفت جو اللہ تعالیٰ کی مدح پر مشتمل ہو بولا جاسکتا ہے۔ لفظ 'خدا' بھی اِسمِ صفت ہے، اِسمِ عَلَم نہیں ہے۔

۳)......اللہ تعالیٰ کے جو اسماء اور صفات فارسی ترکی وغیرہ زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بولنے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے، ظاہر ہے کہ لفظ خدا بھی ایسے ہی ناموں میں سے ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی مصری حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں:

قال الطیبی رحمہ اللہ: فإن قلت: ألیس العجم یسمون اللہ باسم غیر وارد والأمة قد اتفقوا علی صحتہٖ؟ قلتُ: اتفاقھم علی صحتہٖ یدل علی أنہ وارد یعنی أن المراد بالشارع نبی من الأنبیاء، فتأمل! [حاشیة الشھاب علی تفسیر البیضاوی: ۲۳۸/۴]

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تو سوال کرے کہ کیا عجم والے اللہ تعالیٰ کے وہ نام نہیں رکھ لیتے جو منقول نہیں ہیں جب کہ امت اُن کے صحیح ہونے پر متفق ہے؟ میں کہتا ہوں امت کا اُس کے صحیح ہونے پر اتفاق دلیل ہے کہ وہ نام بھی منقول ہیں یعنی کسی نہ کسی نبی سے منقول ہیں غور فرمالو!

امام طیبی رحمہ اللہ کی عبارت میں ہے کہ غیر عربی عجمی اللہ تعالیٰ کے لئے جو نام بولتے ہیں اُن کے جواز پر امت کا اتفاق ہے۔

علامہ ابن القیم اور علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی (متوفی ۱۱۸۸ھ) اور علامہ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب (متوفی ۱۲۳۳ھ) رحمہ اللہ ایک عجیب بات فرماتے ہیں:

ومایطلق من باب الأخبار لایجب أن یکون توقیفیاً کالقدیم والشیء الموجود والقائم بنفسہٖ والصانع ونحوذلک. [تیسیرالعزیزالحمید: ۵۵۴، بدائع الفوائد: ۱۶۲/۱، لوامع

الأنوار البهية: ۱/۴۰] جو نام اللہ تعالی کے متعلق خبر دینے کے اعتبار سے بولا جائے اُس کا توقیفی (نص سے ثبوت) ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے قدیم، موجود شیء، قائم بالذات، صانع (کاریگر) وغیرہ۔

یعنی اگر اللہ تعالی سے متعلق کوئی بات کی جائے کہ مثلاً اللہ تعالی کی یہ کاریگری ہے، یہ انعامات واحسانات ہیں، وہ ایسا ہے اور ویسا ہے وغیرہ تو ایسے موقع میں اللہ تعالی کے لئے صحیح معنی رکھنے والے کوئی اسماء استعمال کیے جائیں، تو اِخبار کے موقع میں استعمال ہونے والے اسماء کا نص سے ثابت ہونا ضروری نہیں اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ خدا تعالی کا یہ احسان ہے، یہ کاریگریاں ہیں وغیرہ۔

بہرحال ان عبارات سے ثابت ہوا کہ لفظ خدا کے اطلاق کے جواز پر اجماع ہے، اور اجماع بھی ایک دلیل شرعی ہے اس لئے یہ بھی خلاف شریعت نہیں ہوگا۔

ایک سوال:

اس پر رشید اللہ صاحب کے نزدیک بہت بڑا سوال قائم ہوتا ہے کہتے ہیں کہ: ''جو صاحبان یہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالی کو 'خدا' کہا جاسکتا ہے ان سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ یہ تو بتائیں کہ یہ اجماع کب اور کہاں ہوا؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وہ کون کون سے معتبر علماء ومجتہدین حق تھے جنہوں نے اس مسئلہ پر اجماع کیا؟ [ص:۷۶] (لگتا ہے کہ جناب کا ذہن 'اجماع' سے 'اجتماع' اور اجلاس کی طرف چلا گیا ہے۔) اور پھر ص: ۱۲۰ر سے اجماع کی تعریف اور اس کی دو قسمیں اجماع قولی اور اجماع سکوتی ذکر کیں، اور اپنی سمجھ کے مطابق اس کے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان پر بحث کرنا طویل ہو جائے گا، بس اتنی بات ہے کہ رشید اللہ صاحب اجماع امت کے وسیع مفہوم کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، جو بات ان کے علم میں نہ آسکی وہ یہ ہے کہ اگر کوئی عمل امت میں رائج اور عام ہو جائے جس کی قرآن وسنت میں نہ ممانعت مذکور ہو نہ جواز بلکہ مسکوت عنہ ہو اور اس عمل کی ممانعت کسی بھی زمانہ کے علماء کرام میں سے کوئی بھی صحیح العقیدہ راسخ فی العلم عالم نہ کرے، وہ عمل بھی 'اجماع سکوتی' کے ساتھ جائز کہلاتا ہے، لفظ 'خدا' کے اطلاق پر اجماع ہے کہ کسی سے بھی نکیر منقول نہیں تو یہی نکیر منقول نہ ہونا دلیل اجماع ہے۔

اختلاف نقل نہ ہونا بھی دلیلِ اجماع ہے:

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ذکر ابن عبد البر أنه إجماع من أهل العلم، وذلک لأنه لم یوجد منهم اختلاف. [أوجز المسالك: ۹/۴۱۵] امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے (ایک مسئلہ میں) فرمایا کہ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کو اجماع اِس بناء پر فرمایا کہ علماء سے اس بارے میں اختلاف منقول نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ جب ایک رائے اور عمل چلا آرہا ہو اور کسی بھی عالم سے اس سے اختلاف نقل نہ ہو یہ

اس رائے اور عمل پر جواز کے لیے اجماع کہلائے گا۔اس کے لیے اور ہر ہر مسئلہ کے لیے علماء کا اکٹھا ہونا اور متفقہ رائے دینا یا بعض کا رائے دینا اور باقیوں کی خاموشی اجماع کے لیے ضروری نہیں، عجیب بات یہ ہے کہ اِس قسم کے اجماع کا ذکر خود محترم رشید اللہ صاحب کی تحریر میں موجود ہے، مگر اِنہیں توجہ نہیں ہوئی، سجدہ تعظیمی کی بحث میں خود لکھتے ہیں:

مولانا تھانوی کے نزدیک اجماع امت سے بھی سجدہ تحیت کی حرمت ثابت ہے، وہ لکھتے ہیں، **لم نر أحداً من السلف ولامن الخلف اختلف فی حرمة سجدة التحية مع تفحص كثير من كتب التفسير والحديث و الفقه.** [بیان القرآن] تفسیر حدیث اور فقہ کی کتابوں میں تلاش بسیار کے باوجود بھی ہمیں کوئی ایسا عالم نہیں ملا جس نے سجدہ تحیت کے حرام ہونے میں اختلاف کیا ہو۔

[اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول:۱۳۷]

آپ کی طرح کوئی آپ سے پوچھ سکتا ہے کہ جناب! سجدہ تحیت کے حرام ہونے پر یہ اجماع کب ہوا؟ کہاں ہوا؟ اور کونسے اور کتنے علماء تھے؟ کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ بہرصورت جناب کی اِس ساری عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ یہ بھی اجماع ہے کہ اختلاف نہ ہو۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام بیان کرتے ہوئے اجماع سے بھی استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور اجماع نہایت ظاہر ہے کہ کسی مستند عالم سے سلفاً وخلفاً اس کے خلاف منقول نہیں۔

[بیان القرآن:۲۴/۲]

کیا اِس سے ظاہر نہیں کہ اختلاف نہ ہونا بھی اجماع ہے؟ یا یہاں بھی آپ کہیں گے کہ کب اجماع ہوا؟ کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ کونسے اور کتنے علماء نے اجماع کیا؟

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

قال الحافظ فی التلخیص: وإطلاق (الرافعی) الإجماع باعتبار أنهما لايعرف لهما فی ذلک مخالف. [اعلاء السنن، رقمِ حدیث مسلسل: ۵۱۷۲ ج۱۴، **دار الفکر،** التلخیص الحبیر: ۵۰۹/۴] علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ امام رافعی نے جو فرمایا کہ اِس پر اجماع ہے، تو اجماع اس بناء پر کہا کہ کوئی اختلاف کرنے والا نہیں ہے۔

یعنی علامہ ابن حجر اور امام رافعی رحمہما اللہ اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اِس کو بھی اجماع مانتے ہیں کہ اختلاف منقول نہ ہو۔

تو کیا جناب والا! اَب سے پہلے کے اسلاف میں سے کسی ایک اور صرف ایک کی عبارت پیش

کر سکتے ہیں جس نے لفظ 'خدا' بولنے کو ناجائز یا کم از کم مکروہ بتایا ہو؟ اور جب نہیں تو واضح ہوا کہ لفظ خدا جائز ہونے پر اجماع ہے، نہ یہ کہ ایک غلط رِیت چل پڑی، اور سب اَدوار کے علماء فقہاء سکوت اختیار کئے رہے، اور اِظہارِ حق کرنے والے صاحب اب پیدا ہوئے ہیں۔

اجماع کی دو قسموں کی تفصیل اور اجماع کے لیے جتنی شرطیں رشید اللہ صاحب نے (ص:۱۲۱ر میں) ذکر کیں، اور اُن پر اپنی سوچ کی بنیاد رکھی، وہ سب کتاب فقہ الحدیث اردو سے لیں جو الدرر البهية کا ترجمہ ہے جو قاضی شوکانی صاحب کی کتاب ہے۔

قاضی شوکانی کی لغزشیں:

حالانکہ خود قاضی شوکانی صاحب سرے سے اجماع ہی کے منکر تھے، وہ اجماع کو حجت ہی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اجماع کے وجود کو بھی نہیں مانتے تھے، ان کی کتاب **جزء الطلاق الثلث** کے حوالے سے مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قواعد فی علوم الحدیث [مع اعلاء السنن: ۹۳۸۳] میں ان کی یہ رائے نقل کی ہے کہ وہ اجماع کے وجود کو نہیں مانتے تھے، پھر ان پر رد کیا ہے، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی تو یہ بھی غلط رائے تھی کہ مرد جتنی چاہے شادیاں کرے شریعت نے بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی ہے۔

مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی تذکرۃ الراشد ص ۴۷۹ طبع قدیم مطبع انوار محمدی لکھنو سن طباعت ۱۳۰۱ھ میں قاضی شوکانی پر خوب رد کیا ہے، اور ذکر کیا کہ قاضی شوکانی تو کہتے ہیں کہ مشرک و کافر بھی اگر **بسم اللہ اللہ اکبر** کہہ کر ذبح کرے تو بھی ذبیحہ حلال ہوگا۔

تو جو شخص سرے سے اجماع کو مانتا نہیں اس کی بیان کی ہوئی اجماع کی شرطیں اور تفصیلات کہاں معتبر ہو سکتی ہیں؟ یہ تو ایسے ہوگا جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمن رافضی سے صحابہ کی پوزیشن معلوم کی جائے، لہٰذا شوکانی پر سہارا چھوڑیں جناب کی اس کتاب کی کئی عبارات شبہ پیدا کرتی ہیں کہ جناب یا آہستہ آہستہ ترکِ تقلید کی طرف جا رہے ہیں یا پہلے سے غیر مقلد ہیں، یاد رکھیں اپنی عقل و مطالعہ پر سہارا اور اکابر سے بے اعتمادی اور ان کی رائے کو کتاب وسنت کے خلاف کہہ کر ٹھکرانا جیسا کہ جناب نے کیا، یہ سلف پر عدم اعتماد گمراہی کی پہلی سیڑھی ہے۔ (جناب رشید اللہ صاحب نزدیک کے دور کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اور موجود بزرگوں میں سے مفکر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تک سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے ان کو جاہل علم سے نابلد تک سمجھتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

بہر حال جب ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ لفظ 'خدا' کے اطلاق کے جواز پر اجماع ہے کیوں کہ کسی سے نکیر ثابت نہیں ہے تو جناب اس اجماع کو تب ختم کر سکتے ہیں جب کسی بھی ایک فقیہ یا مجتہد یا راسخ فی العلم معتمد عالم سے نقل کریں کہ لفظ 'خدا' اللہ تعالیٰ کیلئے بولنا ناجائز ہے، جب جناب اپنی پوری کتاب میں ایک بھی

عالم دین سے ایسی تصریح پیش نہ کر سکے تو لگتا ہے کہ جناب کو ایسی تصریح ملی ہی نہیں اور ان شاء اللہ ملے گی بھی نہیں دیدہ باید۔

اسماء الٰہی میں الحاد اور لفظ خدا:

اور جناب نے علامہ آلوسی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اسماء الٰہی میں الحاد کی ایک صورت یہ ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع سے جو اسماء ثابت نہ ہوں وہ اللہ تعالی کے لیے بولے جائیں، اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی الاعتقاد[ص:۱۷] میں ذکر فرمایا ہے کہ اسماء حسنیٰ کا مأخذ کتاب وسنت واجماع ہے۔ جب لفظ 'خدا' اور 'خداوند' وغیرہ کا استعمال اجماع سے ثابت ہوا تو یہ الحاد کیوں ہے؟ اور جیسے پہلے عرض کیا اس اجماع کو جناب متقدمین میں سے کسی معتبر فقیہ و مجتہد یا راسخ فی العلم عالم دین کی عبارت سے توڑ سکتے ہیں، محض اپنے خیال سے نہیں توڑ سکتے۔

ایک اور سوال:

رشید اللہ صاحب نے اپنے خیال میں ایک بہت بڑا سوال کیا ہے کہ نماز کی تکبیرات میں اور تکبیرات تشریق وغیرہ میں **اللہ اکبر** کی جگہ **خدا اکبر** کہنا **بسم اللہ** کی جگہ **بسمِ خدا** کہنا وغیرہ وغیرہ کہنا جائز ہے یا نہ؟

اس سوال کے جواب میں جب علماء نے فرمایا کہ ایسا ناجائز ہے تو جناب نے اس کو لفظ 'خدا' کے ناجائز ہونے کی دلیل بنایا، حالانکہ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ لفظ 'خدا' کی وجہ سے ناجائز ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ یہ اذکار ہیں جن میں وہی الفاظ استعمال کرنا ضروری ہے جو منقول چلے آرہے ہیں، آپ ﷺ کے صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ایک دعا سکھلائی جس میں آپ ﷺ نے لفظ رسول سکھلایا اور صحابی نے لفظ نبی پڑھ دیا تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا کہ جو لفظ میں نے کہا وہی بولو، حالانکہ آپ ﷺ نبی بھی ہیں اور رسول بھی ہیں، اس حدیث پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس منع کرنے میں کئی وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ ہے کہ اذکار کے الفاظ توقیفی ہیں، اور ان میں وہ خصوصیات اور راز ہیں جن میں قیاس کو دخل نہیں ہے، اس لئے اُنہی الفاظ کی پابندی ضروری ہے جن میں منقول ہوں۔[فتح الباری:۱۲/۳۱۴]

جناب فقہی عربی فتاوی کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ فقہاء احناف 'خدا تعالیٰ' کے لفظ سے قسم کھانے پر قسم ہو جانے کا حکم لگاتے ہیں۔[دیکھیے فتاوی عالمگیری وغیرہ] اگر لفظ 'خدا' مجوسیوں کے معبود کا نام ہو تو یہ غیر اللہ کی قسم ہے، اس لیے حنفی شخص یہ سوال نہیں کرسکتا کہ **اللہ اکبر** کے بجائے خدائے بزرگ تر است جائز ہے یا نہ؟ نماز وغیرہ اذکار میں منقول الفاظ کی پابندی ضروری ہے کیونکہ اذکار کے الفاظ توقیفی ہیں۔

شاید پھر جناب کے دماغ میں یہ سوال آئے کہ جمہور علماء اسماء الٰہی کو بھی توتوقیفی کہہ رہے ہیں؟ جی

ہاں! وہاں توقیفی کی وضاحت یہی کررہے ہیں کہ ان کا قرآن وسنت واجماع سے منقول ہونا ضروری ہے، اورلفظ 'خدا' بھی اجماع سے ثابت ہواتواس کا استعمال بھی توقیفی ہونے کے قول کے خلاف نہیں لہٰذا لفظ خدا کے استعمال میں کسی طرح حرج نہیں ہے۔

یادرہے کہ ہماری اس تحریر کا مقصد بھی لفظ 'اللہ' پرلفظ 'خدا' کوترجیح دینانہیں، بیشک لفظ 'اللہ' بولنا لفظ 'خدا' بولنے سے افضل ہے(مگرایک کے افضل ہونے سے دوسرے کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا) ہمارا مقصد محض یہ بتاناہے کہ لفظ 'خدا' کوناجائز کہنا غلط ہے۔فقط!

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد:

لفظ خدا کے اللہ تعالیٰ کے لیے بولنے کواسماءِ الٰہی میں الحادقرار دیتے ہیں،اس بارے میں چند گذارشات عرض کی جاتی ہیں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وللہ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذرواالذین یلحدون فی أسمائہٖ سیجزون ماکانوایعملون.** اوراچھے اچھے(مخصوص)نام اللہ ہی کے لیے (خاص)ہیں سوان ناموں سے اللہ ہی کوموسوم کیا کرو(اوردوسروں پراُن ناموں کا اطلاق مت کیا کرو بلکہ) ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھوجواُس کے(مذکورہ)ناموں میں کجروی کرتے ہیں(اس طرح سے کہ غیراللہ پراُن کا اطلاق کرتے ہیں جیسا کہ وہ لوگ ان کومعبوداورالٰہ اعتقاد کے ساتھ کہتے تھے)اِن لوگوں کواِن کے کیے کی ضرورسزا ملے گی۔[بیان القرآن:۴/۵۴]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اِس آیت کے ترجمے کے ساتھ بین القوسین عبارت میں آیت کی وہ صاف شفاف تفسیر کی جوتفسیر قطعی اوریقینی ہے،جس زمانہ میں آیت نازل ہوئی اُس زمانہ میں جولوگ اسماءِ الٰہی میں الحاد کرتے تھے اُنہی لوگوں کا ذکراللہ تعالیٰ نے **الذین یلحدون فی أسمائہٖ** میں کیا ہے،مرادمشرکینِ مکہ ہیں،اوروہ اسماءِ الٰہی میں الحاد کس طرح کرتے تھے؟

(۱)......حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ اُن کا الحاد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے اپنے معبودوں کے نام رکھتے تھے،مثلاً بتوں کے لیے لفظ **اللہ** سے مشتق کرکے **لات** اور **منّان** سے مشتق کرکے **منات** اور **عزیز** سے مشتق کرکے **عزّیٰ** استعمال کیا۔[تفسیر البغوی:۳/۳۰۶عن ابن عباس ومجاہد] ایسے ہی مسیلمہ کذاب نے اپنا لقب 'رحمٰن' رکھا تھا۔[تفسیر کبیر رازی]

(۲)......یا اُن کا الحاد اپنے بتوں کو **اِلٰہ** ماننا ہے جب کہ الٰہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[البغوی:۳/۳۰۶] ایسے ہی اللہ تعالیٰ کوحضرت عیسیٰ علیہ السلام وعزیر علیہ السلام وغیرہ کا باپ ٹھہرانا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر اِن دونوں مرادوں کوشامل ہے۔

(۳)......اُن کا الحاد اللہ تعالیٰ کے اسماء کو جھٹلانا تھا۔ (جیسے اسم رحمٰن کا انکار کرتے)[البغوی عن ابن عباس]

یہ تین تفسیریں تو قطعی ہیں، اور اِن کے مطابق جو آدمی اللہ تعالیٰ کے نام غیرُ اللہ پر بولے وہ ملحد و بے دین ہوگا، **لاشک فیہ**، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے وہ اسماءِ حسنیٰ جو قطعی یقینی اور متواتر طریقے سے ہم تک نقل ہوئے، یا اُن پر اجماعِ قطعی ثابت ہو اُن کا منکر بھی ملحد ٹھہرے گا، البتہ جو اخبار آحاد سے یا اجماعِ ظنی سے منقول ہوں اُن کا انکار کفر تو نہیں لیکن ثبوت کے درجے کے موافق گمراہی اور فسق ہوگا۔

(۴)......الحاد کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے وہ نام رکھنا جو نہ قرآن مجید نے بتائے ہوں نہ سنت نے (بغوی وغیرہ عن اھل المعانی) تفسیر واحدی میں کلبی سے منقول ہے اور اُن کا فتوی بھی نقل ہے کہ ایسا کرنے والا جھوٹ بولنے والا اور حق سے مائل ہونے والا ہے [التفسیر الوسیط: ۴۳۱/۲] ایک تفسیر میں امام اعمش سے بھی یہ مراد منقول ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ نام رکھنا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام رکھنا جائز نہ ہوں جیسے کوئی مسیح کا باپ کہتا ہے، نصاریٰ کہتے ہیں ایک باپ ہے ایک بیٹا اور ایک روح القدس، کرامیہ اللہ تعالیٰ پر جسم کا اطلاق کرتے ہیں، وغیرہ [۴۱۶/۱۵] اسی طرح متعدد مفسرین نے اس کی مثال میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو جوہر، عقل، علت، ابوالمکارم، ابیض الوجہ، وغیرہ کہنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اول تو الحاد کا یہ مفہوم نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے، بعد کے حضرات کی کثیر تعداد یہ مفہوم بیان کرنے والے ہیں، اس کو قطعی مفہوم نہیں کہا جاسکتا محض ظنی کہا جاسکتا ہے، اور اگر بالفرض قطعی ہو تو بھی وہ حضرات دو قیدیں ذکر کرتے ہیں: ایک یہ کہ اسماءِ منقولہ کے سوا ایسا نام الحاد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان نہ ہو۔ چاہے توہین بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اُس نام میں اللہ تعالیٰ کی توہین اور مذمت نکلتی ہو تو ایسا نام رکھنا الحاد ہوگا۔ اور 'خدا' اور 'خداوند' ایسے نام نہیں ہیں کیوں کہ اِن میں توہین نہیں کیوں کہ اوپر ذکر کیے ہوئے معنوں میں سے کسی معنی میں ہے اور اُن معنوں میں اللہ کی عظمتِ شان ہے، نہ ہی کورے ہیں نہ ہی مذمت ہے، تو اِس کا بولنا کیوں الحاد ٹھہرے گا؟

یہی وجہ ہے کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ آیت کی تفسیر میں الحاد کا مصداق یہ بھی ٹھہراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نام رکھا جائے جو قرآن وسنت میں نہ ہو۔ پھر لفظ 'خدا' کے اطلاق کو نا جائز نہیں ٹھہراتے بلکہ کہتے ہیں کہ لفظ 'خدا' واجب الوجود کا معنی ہے اور اللہ واجب الوجود ہے جس کا مطلب ہوا کہ اللہ 'خدا' ہے۔

ایسے ہی علامہ اسماعیل حقی آفندی رحمہ اللہ تفسیر روح البیان میں الحاد کی ایک صورت یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا وہ نام رکھا جائے جو قرآن وسنت میں نہ ہو، پھر روح البیان میں جگہ جگہ لفظ 'خدا' اشعار وغیرہ فارسی عبارات میں ذکر بھی کرتے ہیں، یعنی یہ حضرات الحاد کا مفہوم سمجھتے اور مانتے ہوئے اور لکھتے ہوئے بھی

'خدا' اور 'خداوند' جیسے اسم کو الحاد میں داخل نہیں کرتے، کیوں کہ اِس نام میں اللہ تعالیٰ کے لئے مذمت نہیں نکلتی بلکہ عظمتِ شان نکلتی ہے۔

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ 'خدا' اور 'خداوند' دراصل نیا نام نہیں ہے کہ اسماءِ حسنیٰ میں الحاد ٹھہرے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے مذکور کسی نام کا فارسی میں ترجمہ یا مفہوم ہے، اور اسماءِ حسنیٰ کا دوسری زبانوں میں صحیح ترجمہ اور مفہوم بیان کرنا تو ہرگز الحاد نہیں ہے، ورنہ قرآن وحدیث کے غیر عربی تراجم بھی الحاد ٹھہرائے جائیں، اور جب یہ ترجمہ یا مفہوم ہے کسی نام کا تو اِس کی قرآن مجید میں یا حدیث نبوی وغیرہ میں تلاش کیوں ضروری ہے؟ یہ تو ایسے ہوگا جیسے قرآن مجید یا حدیث کا اردو یا فارسی میں ترجمہ کیا جائے تو کوئی معترض کہے کہ جو ترجمہ تم نے کیا یہ ترجمہ قرآن میں سے یا حدیث میں سے یا اقوالِ صحابہ سے دکھاؤ۔

کیا لفظ خدا عیب دار ہے؟

رشید اللہ صاحب اپنے خیال میں لفظ خدا کے خلاف اس وجہ سے بھی ہوئے کہ اِنہیں یہ لفظ عیب دار نظر آیا، یہ ایسے ہے جیسے معتزلہ کی نیت شاید اس بارے میں اچھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو برائی کا خالق ٹھہرانا بے ادبی لگتا ہے، اِس لیے کہا اللہ تعالیٰ خالقِ خیر تو ہے خالقِ شر خود بندے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری برائی میں مبتلا ہوگئے کہ بندوں کی کُل تعداد کو خالقیت میں شریک کرلیا۔

بہرحال رشید اللہ صاحب نے باب ۱۸ر میں اس لفظ کو عیب دار ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان الفاظ کا ذکر کیا ہے جن میں لفظ 'خدا' شامل ہے مثلاً:

'کدخدا' کا معنی شوہر والی اور شادی شدہ عورت......اور 'دہ خدا' کا معنی گاؤں اور قریہ کا مالک...... اور 'ناکت خدا' غیر شادی شدہ عورت کو کہتے ہیں...... یہ ذکر کر کے کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے لفظ 'خدا' کا استعمال اللہ تعالیٰ کو چھوٹے سے گاؤں کے مالک کے برابر ٹھہرانا ہے، وغیرہ۔

یہ بھی جناب کی غلط فہمی ہے کیونکہ یہ الفاظ اضافت کے ساتھ استعمال ہو رہے ہیں، اور لفظ 'خدا' بغیر اضافت استعمال ہو رہا ہے اور اضافت کے ساتھ استعمال میں ایک معنی ہوتے ہیں اور بغیر اضافت دوسرے معنی ہوتے ہیں، اگر اضافت والے معنی غلط ہوں تو بے اضافت بھی معنی غلط ہوں یہ کیوں ضروری ہے؟ دیکھیے! 'رب' اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں مگر **رب المال** مال والے اور **رب الثمن** خریدار اور **رب الدار** اور **رب الفرس** گھر اور گھوڑے کے مالک کو کہتے ہیں، امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں" **وبالاضافة يقال له ولغيره**" اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی اور غیر کے لیے بھی لفظ رب بولا جاتا ہے۔[المفردات: ۱۹۰] تو جب **رب الثمن** اور **رب الدار** وغیرہ الفاظ اور ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے لیے درست نہیں تو کیا پھر لفظ رب بھی درست نہ ہو رہے گا؟

اور کہتے ہیں کہ لفظ 'خدا' کی جمع 'خدایان' ہے (یعنی واحد معبود کے لیے نہیں بولا جاتا اور یہ اللہ تعالی کی وحدانیت کے خلاف مفہوم دے رہا ہے، جبکہ اللہ صرف ایک معبود کے لیے ہی بولا جاتا ہے۔)

جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ 'خدا' کی جمع 'خدایان' ہے لیکن اگر جمع آنے کی وجہ سے اس کا اللہ تعالی کیلئے استعمال جائز نہ ہو تو 'الٰـہ' کا لفظ بھی ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ اس کی بھی جمع **آلهة** قرآن مجید میں ہے، ایسے ہی **رازق** اور **حاکم** کا اور **رب** کا اطلاق بھی اللہ تعالی پر ناجائز ہو کیونکہ ان کی جمع **رازقین** اور **حاکمین** اور **ارباب** قرآن مجید میں آئی ہے۔؟

نیز رشید صاحب کہتے ہیں کہ 'خدا' کے معنی 'صاحب' کے بھی ہیں جس کے معنی ہم صحبت وہم سفر وغیرہ ہیں۔ جی ہاں! یہ درست ہے کہ 'خدا' کے معنی صاحب کے 'بھی' ہیں، مگر صاحب کے 'ہی' نہیں، ایک لفظ ایک معنی میں اللہ تعالی کے لیے بولا جاتا ہے جبکہ دوسرے معنوں میں بندوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے، مثلاً **مولیٰ** اللہ تعالی کیلئے قرآن مجید میں بمعنی مددگار اور مالک کے بولا گیا جبکہ رشتہ دار اور غلام اور تعلق دار کے معنی میں بندوں کے لیے بھی قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے تو کیا اس سے اللہ تعالی کے لیے بولنا ناجائز ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذ جب بندوں والے معنی خدا کے لیے مراد نہیں تو یہ لفظ عیب دار بھی نہیں۔

فائدہ: سعودی عرب کے بڑے بڑے علماء کرام کے فتاوی کا ایک مجموعہ **فتاوی اللجنة الدائمة** کے نام سے مطبوعہ ہے، اس میں ایک سوال اور جواب ہے ملاحظہ فرمائیں:

سوال: ایک سوال ہے جس کے بارے میں ہمارے ہاں علماء کے درمیان اختلاف ہے، وہ یہ کہ قرآن وسنت سے معلوم ہے کہ اللہ تعالی کی صفات توقیفی ہیں، لہٰذا جو اللہ تعالی نے ثابت کیں وہ ہم ثابت مانیں گے اور جن کی نفی فرمائی اُن کی نفی کریں گے اور جن سے سکوت کیا اُن سے سکوت کریں گے، تو کیا جائز ہے کہ اللہ تعالی کا نام وہ بولا جائے جو نام نہ ہو مثلاً فارسی میں خدا، یا پشتو میں خدای یا انگریزی میں گاڈ وغیرہ جو نام ہیں، کیا ایسا کہنے والا قرآن وسنت سے ثابت ناموں کے سوا سے اللہ کا ذکر کرنے والا اور ملحد ہوگا یا نہیں؟ کچھ علماء یہ اسماء جائز قرار دیتے ہیں، اُن کا استدلال لفظ جبرئیل سے ہے کہ ایل اللہ کا عبرانی میں نام ہے، تو جب عبرانی زبان میں نام بدلنا جائز ہے تو دوسری زبان میں بھی جائز ہوگا، کیا یہ تاویل درست ہے یا نہیں؟ اور کیا عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اللہ تعالی کے اسماء کی تبدیلی جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں فائدہ پہنچائیں جزاکم اللہ خیرا۔

اِس کے جواب میں علماء عرب فرماتے ہیں:

تجوز ترجمة أسماء الله لمن لايعرف اللغة العربية، بلغتهم إذاكان المترجم بصيراً للغتين كمايجوز أن تترجم لهم معاني الآيات القرانية و الأحاديث النبوية

لتفهيمهم الدين. [فتاوى اللجنة الدائمة: ۱۶۷/۳] عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے اللہ تعالی کے ناموں کا اُن کی زبان میں ترجمہ کرنا جائز ہے، جب ترجمہ کرنے والا دونوں زبانیں سمجھتا ہو جیسے قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا ترجمہ کرنا دین کے سمجھانے کے لئے جائز ہے۔

اِس فتوے پر شیخ عبداللہ بن قعود اور شیخ عبداللہ بن غدیان اور شیخ عبدالرزاق عفیفی اور الشیخ عبد العزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کے دستخط ہیں، فتوے کا حاصل یہ ہوا کہ لفظ 'خدا' اللہ تعالی کے نام کا فارسی میں ترجمہ ہے اور یہ جائز ہے.

نوٹ: مختصر تحریر راقم نے جناب رشید اللہ صاحب کو بھیجی تھی انہوں نے اس کے جواب میں ایک صفحہ کا خط لکھا، اس میں دعوی کیا کہ: ''میں نے تو 'خدا' کے اطلاق کو ناجائز ٹھہراتے ہوئے کتاب وسنت واتباع صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ کی طرف بلایا ہے، اور آپ قرآن وسنت اور اتباع صحابہ وائمہ اربعہ کی طرف بلانے کو انتشار پھیلانا ٹھہرا رہے ہیں۔'' حالانکہ راقم کی تحریر کا جو مقصد ہے اس کو رشید اللہ صاحب سمجھے ہی نہیں، (یا سمجھ تو گئے ہیں لیکن تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں۔) جبکہ کہتے یہ ہیں کہ: ''میں نے آپ کی تحریر دوبار پڑھی۔'' تحریر کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ لفظ 'خدا' کی جگہ لفظ 'اللہ' کہنا افضل ہے۔ مگر لفظ 'خدا' کے اطلاق کو ناجائز کہنا درست نہیں ہے۔ راقم نے لفظ 'خدا' کو ناجائز کہنے کو امت کو انتشار ذہنی میں ڈالنا قرار دیا لیکن جناب نے الزام لگا دیا کہ آپ نے کتاب وسنت واتباع صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ کی طرف بلانے کو فتنہ وانتشار قرار دیا ہے **لاحول ولاقوة إلابالله**

جب کہ پوری کتاب کے کسی صفحہ پر اور خط کی کسی سطر پر جناب نے کسی چھوٹی یا بڑی کتاب تک کا کوئی حوالہ تک نہ دیا کہ قرآن مجید میں یا سنتِ نبوی میں یا اقوال صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم میں کہاں ثابت ہے کہ لفظ 'خدا' بولنا ناجائز ہے؟ صرف اتنی بات سے کہ: ''قرآن وسنت واقوال صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم میں لفظ 'اللہ' بولا گیا لفظ 'خدا' نہیں بولا گیا۔'' لفظ 'خدا' کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا، ورنہ کہیے کہ رب کی جگہ پروردگار اور غفور کی جگہ بخشنے والا رحمٰن اور رحیم کی جگہ مہربان وغیرہ وغیرہ اللہ تعالی کے لیے کہنا ناجائز ہے کیونکہ پروردگار وغیرہ جیسے اسماء اللہ تعالی کے لیے کتاب وسنت واقوال صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ عنہم میں نہیں ہیں۔ (ایسے ہی نماز کو قران حدیث اور سلف نے 'صلوۃ' کہا ہے لہٰذا 'نماز' کہنا غلط ہے، صوم کو روزہ کہنا بھی غلط ہے، یہ دونوں مجوسیوں کی عبادتوں کے نام ہیں۔؟ [احسن])

رشید اللہ صاحب نے مزید یہ کہا کہ: ''آپ قرآنی آیت، حدیث یا سلف کی کوئی تحریر پیش کر کے میری کتاب کا رد کرتے تو میں آپ کے لیے دعاء خیر کرتا کہ آپ نے میری اصلاح کی۔'' افسوس کہ رشید اللہ صاحب کے نزدیک امام باقلانی اور علامہ آلوسی اور امام رازی وغیرہم (اور اب کے حوالوں میں عبداللہ بن مبارک

اورابن عساکراورابونعیم اورابن جوزی) رحمہم اللہ کوئی سلف نہیں ہیں، مزید ایسی بات رشید اللہ صاحب نے نہیں کہی جس کے جواب کی ضرورت ہو، اکابر کا طرز یہ دیکھا ہے کہ کسی طالب علم کے بتلانے پر بھی اپنی غلطی کا برملا اعتراف کرکے فوراً رجوع کر لیتے، اے کاش کہ رشید اللہ صاحب کو بھی اس کی توفیق میسر ہو جائے آمین۔

اس کتاب کے بعد رشید اللہ صاحب نے ایک اور کتاب ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' لکھ ڈالی، اس میں بھی پہلے والی باتیں ہیں، البتہ کچھ اجتہادات بھی شروع کر دیئے ہیں، ضرورت نہیں کہ اس پر تبصرہ کیا جائے۔

والحمدلله رب العالمين، وصلى الله تعالى على حبيبه سيدنامحمد وعلى آله وصحبه أجمعين وعلينامعهم، برحمتك يا أرحم الراحمين. ☆☆☆☆

وفیات

......شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ مولانا مطلع الانوار رحمہ اللہ [۲۱/نومبر ۲۰۱۶ء]

......شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ [۱۴/جنوری ۲۰۱۷]

......حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ گورمانی رحمہ اللہ [گوجرانوالہ] ۲۵/نومبر ۲۰۱۶ء

......حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے بھائی رحمہ اللہ [خان پور]

......خانوادۂ امام اہل سنت کے استاذِ حفظ حضرت قاری محمد انور صاحب رحمہ اللہ [مدینہ منورہ]

......مولانا محمد صابر صاحب اور محمد اشرف صاحب [مانسہرہ] کے پھوپھا محترم رحمہ اللہ

......حضرت قاری عبد الرحمٰن ضیاء مدظلہ [سرگودہا] کے بہنوئی رحمہ اللہ

......حافظ محمود حسن صاحب (اچھرہ، لاہور) کی صاحبزادی وخوشدامن رحمہما اللہ یکے بعد دیگرے۔

......مولانا زبیر احمد صدیقی [شجاع آباد] کے قریبی عزیز خواجہ فیض بخش رحمہ اللہ [۲۴/نومبر]

......پی آئی اے کے طیارے کے شہداء بشمول جنید جمشید رحمہم اللہ

......مولانا قاری غلام رسول شوق رحمہ اللہ [کوٹلہ ارب علی خان، گجرات]

......حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کلورکوٹ [۱۰/دسمبر]

......حضرت مولانا مفتی شاہد مسعود صاحب [سرگودہا] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ

......مولانا محمد عثمان معاویہ (ساہیوال سرگودہا) کی خالہ محترمہ رحمہا اللہ

......جامعہ صدیقیہ بہاولپور کے ناظم مفتی اکبر صاحب وقاری عبد الرحیم رحمہما اللہ (ٹریفک حادثہ میں)

......رائے ونڈ تبلیغی مرکز کے قدیم بزرگ حاجی مشتاق احمد رحمہ اللہ

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

مفتی طارق امیر خان [متخصص فی علوم الحدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی]

من گھڑت اور غیر معتبر روایات

بنیادی عوامل اور ان کے سدِّ باب کی راہیں

شریعتِ غرَّ اء میں اَحادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصدر ثانی کی اساسی حیثیت حاصل ہے، جس میں نقب زنی سے حفاظت کا انتظام عہد رسالت کی ابتداء ہی سے کر دیا گیا تھا، اور یہ صیانت و حفاظت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا نتیجہ تھی:

''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَه مِنَ النَّارِ''.(۱) ترجمہ:''جس نے مجھ پر جھوٹ بولا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

جاں نثار صحابہؓ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد سے ہر دَم خوفزدہ رہتے تھے، اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ دستور، ہمہ وقت اُن کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا، صحابہؓ کی اسی کیفیت کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اِن لفظوں میں بیان کیا ہے:

''سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان، محافل صحابہؓ میں اتنی شہرت اختیار کر گیا تھا کہ آج بھی کتبِ حدیث

میں سو سے زائد ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام محفوظ ہیں، جن سے یہ روایت مسنداً (سند کے ساتھ) منقول ہے''۔(۲)

اگر اِن تمام طُرق اور روایات کو بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمہ گیری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، کیونکہ جہاں اِبتدائے نبوت کی خفیہ مجالس میں اِس حدیث کی سرگوشیاں تھی، وہاں اِکمال نبوت یعنی خطبہ حجۃ الوداع کے عظیم اجتماع میں بھی اسی اعلان کی گونج تھی، جہاں عشرہ مبشّرہ اس روایت کو نقل کر رہے ہیں، وہاں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے عام وخاص بھی اس کو دُہرا رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں جس طرح یہ ارشاد زبان زَد عام تھا، صحابیات رضی اللہ عنہن کی مجالس بھی اس فرمان سے مزیّن تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کا اثر تھا کہ جب ذخیرۂ اَحادیث میں من گھڑت اور ساقط الاعتبار روایات کے ذریعے رَخنہ اندازی کی مذموم کوششیں شروع ہو گئیں، تو محدثینِ کرام نے احادیث کے

صحت وسُقم کے مابین ''اِسناد'' کی ایسی خلیج قائم کردی، جس کی مثال اُممِ سابقہ میں ملنا مُحال ہے، محدثینِ کرام نے احادیث کوخس وخاشاک سے صاف کرنے کے لئے یہی ''میزانِ اِسناد'' قائم کی، جس کے نتیجے میں حدیث کے مبارک علوم وجود میں آتے رہے، ضعیف اور کذّاب راویوں پر مستقل تصانیف کی گئیں، انہی متقدمین علماء نے کتب العِلَل میں ساقط الاعتبار (غیر معتبر) احادیث کو واضح کیا، علماء متأخرین نے بھی باقاعدہ مُشتَہَرات (زبان زَدِ عام روایات پر مشتمل کتابیں) ساقط الاعتبار اور من گھڑت روایات پر کتابیں لکھیں، چنانچہ ہر زمانے میں احادیث کا ذخیرہ محفوظ شاہراہ پر گامزن رہا، غرضیکہ روئے زمین پر جہاں کہیں اسلام کا سورج طلوع ہوا ہے، وہ حدیث کے محافظین خود ساتھ لایا ہے۔

پاک وہند میں ساقط الاعتبار اور من گھڑت روایات اور اُن کا سدّ باب:

اگر ہم اپنے خطّے برّصغیر پاک وہند کا جائزہ لیں، تو موضوعات کی روک تھام میں سرفہرست علامہ ابو الفضل الحسن بن محمد صاغانی لاہوریؒ کا نام نظر آتا ہے، آپ ۵۷۷ھ لاہور (پاکستان) میں پیدا ہوئے، اور حدیث ولغت کی دیگر خدمات کے ساتھ، خود ساختہ روایات پر دو گراں قدر کتابیں لکھی:

۱-الدُرَرُ المُلْتَقَط في تَبْيِينِ الغَلَط

۲-موضوعات الصَّغَانِي

من گھڑت اور غیر معتبر روایات کے بنیادی عوامل:

پاک وہند میں من گھڑت اور باطل روایات کا مطالعہ بہت سے سوالات کو جنم دیتا ہے، جن میں یہ نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ برّصغیر پاک وہند میں وہ کون سے قدیم بنیادی طبقات ہیں، جو یہاں خود ساختہ روایات کی ترویج میں راہ ہموار کرتے رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں سب سے قدیم تحریر علامہ صاغانیؒ ہی کی ملتی ہے، جس سے ہمیں بڑی حد تک اس مسئلے کے جواب میں رہنمائی ملتی ہے، چنانچہ علامہ صاغانیؒ ''الدُّرَرُ المُلتقَط'' (۳) میں اپنی تصنیف کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقد كَثُرَتْ في زَمَانِنا الأحاديث الموضوعةُ، يرويها القصاصُ على رُؤوس المَنَابِر والمجالسِ، ويَذْكُرُ الفُقَرَاءُ والفُقَهَاءُ في الخَوَانِقِ والمَدَارِسِ، وتَدَاوَلَتْ في المَحَافِل، واشْتُهِرَتْ في القَبَائِل، لِقِلَّة مَعْرِفَةِ النَّاس بعِلْمِ السُنَنِ، وانْحِرَافِهم عن السُّنَنِ''.

اس عبارت میں امام صاغانیؒ نے موضوعات اور غیر معتبر روایات کی اِشاعت میں مُلوّث چند عوامل کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

☆......قصہ گو برسرِ منبر اور مجالس عامہّ میں، من گھڑت روایتیں بیان کرتے تھے، ایسے ہی جاہل

صوفیاء اور جاہل فقہاء کی مجالس بھی ان باطل مرویّات سے پُر تھیں۔

☆......اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ خودساختہ عبارتیں ملّت اسلامیہ کے ہر طبقے اور قبیلے میں رواج پاتی رہیں، اور یہی کلام، مجالس کی زینت بنتا رہا، بالآخر موضوعات کی یہ گرم بازاری پورے معاشرے میں سرایت کرگئی۔

☆......اس شرعی اِنحطاط کا باعث صرف معرفتِ حدیث سے دوری تھی۔

وضّاعین کی اقسام اور ان کے مذموم مقاصد:

علامہ صاغانیؒ کا گزشتہ اِقتباس ہماری قدیم خستہ حالی کی جیتی جاگتی تصویر ہے، جس میں مذکور طبقات ہمارے سابقہ سوال کا اجمالی جواب ہیں، مزید وضاحت کے لئے ہم علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے اس مقدمے (۴) کو بہت ہی معاون پاتے ہیں، جس میں انھوں نے حدیث گھڑنے والوں کی اغراض و مقاصد بتاتے ہوئے، انھیں کئی اقسام پر تقسیم کیا، اِن اقسام سے ہم بخوبی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ برصغیر پاک وہند میں وہ کونسے حلقے، اَفراد اور گروہ ہیں، جن کے ہاں موضوع روایات کا ایک بڑا ذخیرہ جنم لیتا رہا ہے، بالفاظ دیگر یہ روایات انھیں کے راستے سے مشہور ہوئیں۔

۱-زَنادِقہ:

زَنادِقَہ، ان کا مقصد اُمت میں رطب ویابس پھیلا کر شریعت کو مسخ کرنا ہے، علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اس عنوان کے تحت پاک وہند کے ''فرقۂ نیچریہ'' اور اُن کے گمراہ کُن عقائد کا ذکر کیا ہے، آپ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ فرقہ نصوصِ شرعیہ میں تحریف (تبدیلی) لفظی ومعنوی کا مرتکب رہا ہے۔

۲-مؤیدینِ مذاہب:

دوسری قسم اُن افراد کی ہے، جنھوں نے اپنے مذہب اور موقف کی تائید میں روایتیں گھڑیں، اِس عنوان کے تحت علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے حدیث میں خوارج کے طریقۂ واردات کو بیان کیا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ بعض خوارج نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ہم نے اپنے موقف اور رائے کو ثابت کرنے کے لئے بہت سی احادیث گھڑی ہیں۔

یہاں برّصغیر پاک وہند میں موجود اہل سوء اور بدعتیوں کا ذکر بھی برمحل ہے، جنھوں نے اس خطّے میں بہت سی مُحدَثات (دین میں نئی باتیں ایجاد کرنا) اور بدعات کو سند جواز فراہم کی، اور اپنی اِختراعات کے ثبوت میں، من گھڑت اور ساقط الاعتبار روایتوں کا سہارا لیا۔

۳-اصلاح پسند اَفراد:

تیسرا طبقہ اُن افراد کا ہے، جنھوں نے لوگوں کی اصلاح کے خیال سے ترغیب وترہیب کی احادیث

گھڑیں۔اس میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ایک دلچسپ مثال بیان کی ہے،آپ فرماتے ہیں کہ پاک وہند کے بعض اصلاح پسند لوگوں نے تمباکو نوشی سے زَجر ووَعِید پر مشتمل احادیث وضع کی ہیں، پھر موصوف نے اس مضمون پر مشتمل وضّاعین کی آٹھ ایسی روایتیں لکھیں، جو سب کی سب جعلی ہیں۔

۴-طبقۂ جہلاء:

چوتھی قسم اُن لوگوں کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہر اَمرِ خیر، اقوال زَرِیں وغیرہ کا انتساب، جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ معتبر سند کے بغیر اس طرح انتساب کرنا ہرگز جائز نہیں۔

۵-اہل غلو:

ایک قسم اُن لوگوں کی ہے، جو عقیدت ومحبت میں اِفراط وغُلُوّ کا شکار ہو جاتے ہیں، اور اہل بیت، خلفائے راشدین، ائمہ کرام اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے باطل، بے اصل مضامین مشہور کر دیتے ہیں۔

۶-واعظین:

چھٹا طبقہ ان قصہ گو واعظین کا ہے جو جعلی غرائبِ زمانہ سُنا کر عوام سے دادِ تحسین وُصول کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ رہا کہ یہی طبقات اور اَفراد، خطۂ ہند و پاک میں حدیث کی جعل سازی کا بیڑا اٹھائے رہے ہیں، بلکہ اس تفصیل کے بعد ہم بصیرت سے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش ایسی بہت سی ہم معنی باطل احادیث پھیلی ہوئی ہیں، جو بلا تردّد انھیں خاص طبقات کی مذموم کوششوں کا نتیجہ ہے۔

پاک و ہند میں تکاسلِ حدیث اور اس کے اسباب:

اگرچہ برصغیر پاک و ہند میں زبان زَدْ عام رِوایات کی تنقیح بجا طور پر ہوتی رہی ہے، لیکن پھر بھی یہ سوال، جواب کا مستحق ہے کہ پاک و ہند میں، افرادِ اُمت عام طور پر احادیث میں صرف سطحی ذہن رکھنے والے ہیں، اور اکثر احادیث کی چھان بین کو خاطر میں نہیں لایا جاتا، آخر، حدیث کے عنوان سے مزاجوں میں حسّاسیت اتنی مَدھَم کیوں رہی ہے؟

تلاشِ بسیار کے بعد پاک و ہند کی قابل فخر شخصیت علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ (۱۲۳۹ھ) کی عبارت میں اس مُعَمّہ کا حل مل گیا۔علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ نے ''کوثر النَّبِيّ وزُلَالُ حَوْضِه الرَّوِي'' [۵] میں ایک مقام پر بعض ایسی کتبِ تفسیر، کتبِ زہد، کتبِ اَوراد وغیرہ کا تذکرہ کیا، جن میں مقدوح اور غیر مُعتبر احادیث بھی ہیں، پھر اِن کتابوں میں موجود ساقط الاعتبار احادیث کے اسباب ذکر کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

'' والسَّبَبُ أنّه قَلَّ اشْتِغَالُهم بِصَنَاعَةِ الحَدِيث،وأنّهم اعْتَمَدُوا على المشهورفي الألْسِنَة مِنْ تَحسِيْنِ الظَّنِّ بالمُسْلِم وأنَّهم انْخَدَعُوا بالكُتُب الغَيرِ المُنَقَّحَةِ الحَاوِيَةِ لِلرُّطَبِ واليَابِسِ،وأنّه لم يَبْلُغْهُم وَعِيدُ التَّهَاوُنِ في روايةِ الحَدِيثِ، وأيضاً منهم مَنْ يَعْتَمِدُ على كُلِّ ما أسْنِدَ مِنْ غَيرِ قَدْحٍ وتَعْدِيلٍ في الرُّوَاة". ''(اِن کتب میں رطب ویابس احادیث کی) وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنّفین فنِ حدیث سے کم اِشتغال رکھتے ہیں، اور مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے، زبان زَد عام روایتوں پر بھروسہ کر لیتے ہیں (حالانکہ ایسا اعتماد صرف ماہرِ فن پر ہی کیا جا سکتا ہے، نہ کہ حدیث میں کم اشتغال رکھنے والے پر) اور یہ مصنّفین رطب ویابس پر مشتمل، غیر منقّح کتابوں سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں، اور (ان کے بارے میں یہی حسنِ ظن ہے کہ) ان مصنفین کو حدیث نقل کرنے میں تہاون (حقیر سمجھنا) کی وعید نہیں پہنچی ہوگی، اور بعض مصنّفین سند کے راویوں کی جرح وقدح دیکھے بغیر، ہر سند والی روایت پر اعتماد کر لیتے ہیں''۔

اسبابِ تکاسل کا جائزہ:

دراصل علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ نے جن کتبِ حدیث وتفسیر وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، یہ کتب برصغیر میں مُتدَاول اور مُرَوّج ہیں اور ان کتابوں کے مؤلفین کی جلالت اور علوّ شان بلا شبہ مُسلَّم ہے، لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اِن مؤلفین کا فنِ حدیث میں اشتغال ناقص رہا ہے، چنانچہ صاحبِ کتاب کی یہ کمزوری عوام میں بھی سرایت کرتی رہی اور احادیثِ موضوعہ معاشرے میں پھیلتی رہیں، بہرحال ذَیل میں ہم مولانا عبدالعزیز فرہارویؒ کے بیان کردہ نِکات اور ان سے ماخوذ نتائج کا جائزہ لیتے ہیں۔

فنّ حدیث میں اشتغال کی کمی:

ان مصنّفین کی تالیفات میں رَطب ویابس روایات کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان مؤلفین نے علومِ حدیث سے ایسا اشتغال نہیں رکھا، جس سے ان میں اُصولِ حدیث کے مطابق، حدیث کے ردّ وقبول کا مَلکَہ اور اسے پرکھنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی، حتیٰ کہ ہمارے زمانے میں بھی مُعتَد بہ تالیفات اس بات کی مقتضی ہیں کہ ان کے مؤلفین احادیث کے معاملے میں محض تحویل (حوالہ دینا) پر اکتفاء نہ کریں بلکہ حسبِ ضرورت اس بات کا پورا اطمینان حاصل کریں کہ یہ حدیث، معتبر سند سے ثابت ہے۔

محض حسنِ ظن کی بناء پر، روایات پر اعتماد:

ان کتابوں میں باطل اور بے اصل روایتوں کے شِیوع کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اِن مصنّفین کے

نُفُوسِ قدسیہ ہر مسلم کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے تھے، اور زبان زَدعام روایتوں کو حسنِ ظن کی بناء پر بلا تحقیق قبول کر لیتے تھے۔

واضح رہے کہ اس مقام پر مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ہے حدیث میں اعتماد کا مدار صرف ماہرینِ فن ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص صناعتِ حدیث میں مہارت نہ رکھتا ہو، تو ایسے شخص پر بلا تحقیق حسنِ ظن سے اعتماد نہیں کیا جا سکتا[۶]۔

تہاونِ حدیث پر وعید سے ناآشنائی:

ان کتب میں قابلِ رَدّ مواد کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات تہاونِ حدیث (یعنی رِوایتِ حدیث میں پوری احتیاط سے کام نہ لینا) کی وعیدوں سے واقف نہیں ہوں گے، بلاشبہ ان حضرات کی عُلوّ شان اسی حسنِ ظن کی مقتضی ہے، البتہ اس تہاون سے اجتناب کی اہمیت اپنی جگہ ہے، خاص طور پر عوامی حلقوں میں اس کی ضرورت بڑھ جاتی ہے کہ ملّت اسلامیہ کا ہر فرد یہ محسوس کر رہا ہو کہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات ہرگز منسوب نہ کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، تا کہ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً...... کا مصداق بننے سے بچ جاؤں، ورنہ یہی تہاون نہ صرف غیر مستند روایات کو پھیلانے میں کام آتا ہے بلکہ اِن روایتوں کو تحفّظ بھی فراہم کرتا ہے۔

تحقیق کا فقدان:

ان تالیفات میں جو احادیث مُسنَد (سند والی روایات) تھیں، ان میں اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ فنِ جرح وتعدیل کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے، تا کہ قابلِ احتراز روایتیں ظاہر ہو جاتیں۔

ایک اہم فائدہ:

اگر ہم بھی اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ علم الروایہ (علمِ حدیث) میں ہماری منتہی صرف سندِ حدیث پانا ہے، اس کے بعد ہم کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، حالانکہ صاحبِ کتاب سند بیان کر کے ایک حد تک اپنی ذمہ داری سے سَبکدَوش ہو جاتا ہے، اب اگلا مرحلہ ہم سے متعلق ہے کہ ہم حسبِ ضرورت، متقدمین اصحابِ تخریج اور ائمہ ٔعلل کی جانب رجوع کریں، اور روایات کے قابل تحمّل (روایت لینا) ہونے کا پورا اطمینان حاصل کریں۔

حاصل کلام:

سابقہ اسبابِ تکاسل خطہ ٔ پاک وہند میں موضوعات کی اشاعت اور ان کی ترویج میں انتہائی مؤثر رہے ہیں، بلکہ اگر ان اسباب کے سدّ باب کے لئے اکابرین کے طرز پر عملی اِقدامات جاری رکھے جائیں تو

کافی حد تک اس ساقط الاعتبار ذخیرے کی روک تھام ہو سکتی ہے۔

من گھڑت اور ساقط الاعتبار روایات کے سدِّ باب میں علماء پاک و ہند کی خدمات:

سابقہ اقتباسات سے ہمیں من گھڑت روایات کی اِشاعت میں ملوّث بہت سے گروہوں اور طبقات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ان کی اغراض، اَفکار، اور طریقۂ کار بھی وضاحت سے سامنے آ گیا، لیکن واضح رہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ عمائدینِ اُمت نے اس فتنے کے سدّ باب کے لئے اپنی خدمات پیش نہ کی ہوں، بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ برّ صغیر پاک و ہند پر ایسے شب و روز بھی آئے ہیں، جن میں صیانتِ حدیث کا تاج، علماء برّ صغیر کے سر رہا ہے، چنانچہ علامہ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں:

''دسویں صدی ہجری کے نصف آخر میں جب کہ علمِ حدیث کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں، برّ صغیر میں یہ سرگرمیاں عروج پر تھیں۔'' [۷]

گویا کہ یوں کہنا چاہیے کہ اس وقت عالمِ اسلام کی سربراہی کی سعادت برِ صغیر کو حاصل رہی ہے، بہرحال یہاں ہم پاک و ہند کے اُن چند مشہور مشائخ کا مختصر تذکرہ کریں گے، جنہوں نے زبان زدِ عوام وخواص، روایات کی حقیقت واضح کی، اور ذخیرۂ احادیث میں تنقیح کی خدمات انجام دیں۔

۱- امام رضی الدین ابو الفضائل الحسن بن محمدؒ (المتوفی ۶۵۰ھ)

آپ کی تالیف ''الدُّ رَرُ المُلْتَقَط'' اور ''رسالة موضوعات الصَّغَانِی'' کا شمار فن ہذا کے اوّلین مصادر میں ہوتا ہے۔ مشتہرات پر مشتمل شاید ہی کوئی کتاب موصوف کے اقوال کے سے خالی ہو۔

۲- ملک المحدّ ثین علامہ محمد طاہر صدیقی پٹنیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ)

آپ نے اس فن میں ''تـذ کِرةُ الموضوعات'' اور ''قـانون الموضوعات'' لکھیں، بلاشبہ مشتہرات کا یہ مجموعہ ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳- امام علامہ سید محمد بن محمد حسینی زَبیدی الشہیر بمرتضیٰؒ (المتوفی ۱۲۰۵ھ)

آپ نے ''إتّـحاف السَّادَة المُتَّقِين'' میں ''إحيـاء علوم الدين للغزالي'' کی احادیث پر، تخریج وتشریح میں محدثانہ شان کا مظاہرہ کیا ہے، اہل علم طبقہ بالخصوص پاک و ہند میں اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔

۴- امام عبد العزیز بن اَحمد فرہارویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ)

آپ نے تقریباً ۲ر ہزار موضوع اور زبان زَدِ عام روایتوں پر مشتمل مجموعہ تیار کیا ہے، فی الحال یہ مخطوط ہے۔ آپ کے بارے میں مولانا موسیٰ خان روحانی بازیؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں اس بات پر قسم کھاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمینِ پنجاب کو جب سے وجود بخشا ہے، ان جیسی کسی دوسرے شخصیت نے یہاں جنم نہیں

لیا، تو میں حانث نہیں ہوں گا۔[۸]

۵- علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ)

آپ کی شخصیت اور حدیثی خدمات محتاج تعریف نہیں ہے، اس فن میں آپ نے ''الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة'' کے نام سے یادگار چھوڑی ہے۔

۶- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (المتوفی ۱۲۸۰ھ/۱۳۶۲ھ)

آپ امراضِ امت کی پہچان اور اس کے علاج میں وَہبی بصیرت رکھتے تھے، آپ نے پاک و ہند میں مُتَدَاوَل من گھڑت، بے اصل روایتوں کا سدّ باب عملاً بھی کیا اور عوام کو بھی اس سے اجتناب کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ بہشتی زیور، حصہ دہم میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ''بعضی کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نقصان ہوتا ہے'' اس عنوان کے تحت ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''دعا گنج العرش، عہد نامہ یہ دونوں کتابیں اور بہت سی ایسی ہی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کی دعائیں تو اچھی ہیں، مگر ان میں جو سندیں لکھی ہیں، اور ان میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے لمبے چوڑے ثواب لکھے ہیں، وہ بالکل گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔''[۹]

اسی طرح حضرت تھانویؒ اس بات سے بھی بخوبی واقف تھے کہ سلوک وتصوّف کی مجالس میں ایک معتد بہ تعداد بے اصل روایتوں کی ہیں، چنانچہ آپ نے ''التَشَرُّفُ بِمَعْرِفَة أَحَادِيثِ التَّصَوُّف'' میں ایسی بہت سی روایات پر روایتی اور درایتی پہلوؤں سے بحث کی ہے، جو درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

ایک اہم التماس:

یہ مختصر اور محدود مقالہ اس کی مزید گنجائش رکھنے سے قاصر ہے کہ ہم اکابرینِ پاک و ہند کی متعلقہ موضوع میں تاریخی خدمات سے تفصیلی بحث کریں، البتہ اگر کوئی فرد علامہ عبدالحی الحَسَنیؒ کی تصنیف ''نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنّواظر'' کو سامنے رکھ کر ان محدثینِ کرام کی خدمات کو جمع کرے، جنھوں نے باطل اور من گھڑت روایتوں کا تعاقب کیا ہے، تو یہ کام نہ صرف ہماری اسلاف کے منہج کی جانب رہنمائی کرے گا بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے اُن مخطوطات کی جانب بھی رہنمائی کرے گا جو آج دِیمک اور گرد وغبار سے تحلیل ہوتے جارہے ہیں، بلاشبہ نت نئی تحقیقات، شروحات، تسہیلات وغیرہ ناگزیر تالیفات ہیں، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ آج جن مخطوطات کو ہم محفوظ کر سکتے ہیں، کل ان کا نام ''حَسَراتِ زمانہ'' کی فہرست میں شامل کر دیا جائے۔

حوالہ جات اور مآخذ:

(۱) الجامع الصحيح للبخاري: باب إثم من كذب على النبي ﷺ ۱/۳۳، رقم الحديث: ۱۰۷، ت: محمد

زهير بن الناصر، دار طوق النجاة ـ بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۲۲ھ.

(۲) اللآلي المصنوعة: ص: ۳٥، ت: محمد عبد المنعم رابح، دار الكتب العلمية ـ بيروت، الطبعة الثانية ۱٤۲۸ھ.

(۳) الدُرَرُ الملتقط: بحواله مجلّه "فكر ونظر"، ص: ۷٦، خصوصي اشاعت، ربيع الأول ـ شعبان ۱٤۲٦ھ، اداره تحقيقات اسلامي بين الأقوامي، اِسلامي يو نيورسٹی، اسلام آباد، پاكستان.

(٤) الآثار المرفوعة: ص: ۱۲، دار الكتب العلمية بيروت.

(٥) كوثر النَّبِيّ وزُلَالُ حَوْضِه الرَّوِي (فن معرفة الموضوعات): ص: ۱۰۸، المخطوط، نَسَخَه العلامة عبد الله الوَلْهَارِي (۱۲۸۳ھ).

(٦) الآثار المرفوعة: ص: ۱۹، دار الكتب العلمية بيروت.

(۷) مقالات الكوثري: ص: ٦۷، دار السلام ـ مصر، الطبعة الثانية ۱٤۲۸ھ.

(۸) بغية الكامل السامي في شرح المحصول والحاصل للجامي: ص: ۲۲۷، مكتبة مدينة بلاهور باكستان، الطبعة الخامسة ۱٤۱٤ھ.

(۹) بہشتی زیور: ص: ۷۰۴، حصہ دہم، دارالاِشاعت، ایم اے جناح روڈ، اردو بازار کراچی.

مفتی ابوالخیر عارف محمود، گلگت

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم

محترم قارئین!

اللہ رب العزت نے انسانوں کومختلف رشتوں میں پرویا ہے، ان میں کسی کو باپ بنایا ہے تو کسی کو ماں کا درجہ دیا ہے اور کسی کو بیٹا بنایا ہے تو کسی کو بیٹی کی نسبت عطا کی ہے، غرض رشتے بنانے کے بعد اللہ تعالی نے ان کے حقوق مقرر فرمائے ہیں، ان حقوق میں سے ہر ایک کا ادا کرنا ضروری ہے، لیکن والدین کے حق کو اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اپنی بندگی اور اطاعت کے فوراً بعد ذکر فرمایا، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رشتوں میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔

والدین سے حسن سلوک کا حکم

اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُواْ صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِينَ غَفُوراً﴾.(۱)

ترجمہ: اور تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سواہ کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آو، اگر وہ یعنی ماں باپ تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ان میں ایک پہنچے یا دونوں (اور ان کی کوئی بات تجھے ناگوار گزرے تو) ان سے کبھی ''ہوں'' بھی مت کرنا اور نہ ان سے جھڑک کر بولنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا: اے ہمارے پروردگار! تو ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے (صرف ظاہر داری نہیں دل سے ان کا احترام کرنا) تمھارا رب تمھارے دل کی بات خوب جانتا ہے اور اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والے کی خطائیں بکثرت معاف کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ جل جلالہ نے سب سے پہلے اپنی بندگی و اطاعت کا حکم ارشاد فرمایا ہے کہ میرے علاوہ کسی اور کی بندگی ہرگز مت کرنا، اس کے بعد فرمایا کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اولاد کو یہ سوچنا چاہیے کہ والدین نہ صرف میرے وجود کا سبب ہیں، بلکہ آج میں جو کچھ انہی کی برکت سے ہوں، والدین ہی ہیں جو اولاد کی خاطر نہ صرف ہر طرح کی تکلیف دکھ اور مشقت کو برداشت کرتے ہیں،

بلکہ بسا اوقات اپنا آرام وراحت اپنی خوشی وخواہش کو بھی اولاد کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔

ماں کا مجاہدہ:

سب سے زیادہ محنت ومشقت اور تکلیف ماں برداشت کرتی ہے، سورۃ احقاف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَوَضَعَتْهُ كُرْهاً﴾(۲) ترجمہ: اس ماں نے تکلیف جھیل کر اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ حمل کے نو[۹] ماہ کی تکلیف اور اس سے بڑھ کر وضع حمل کی تکلیف یہ سب ماں برداشت کرتی ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اب اس کی پرورش کے لیے باپ محنت ومشقت برداشت کرتا ہے، سردی ہو یا گرمی، صحت ہو یا بیماری، وہ اپنی اولاد کی خاطر کسب معاش کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہے اور ان کے لیے کما کر لاتا ہے، ان کے اوپر خرچ کرتا ہے، ماں گھر کے اندر بچے کی پرورش کرتی ہے، اس کو دودھ پلاتی ہے، اس کو گرمی وسردی سے بچانے کی خاطر خود گرمی وسردی برداشت کرتی ہے، بچہ بیمار ہوتا ہے تو ماں باپ بے چین ہو جاتے ہیں، ان کی نیندیں حرام ہو جاتیں ہیں، اس کے علاج ومعالجہ کی خاطر ڈاکٹروں وعلاج گاہوں کے چکر لگاتے ہیں۔ غرض والدین اپنی راحت وآرام کو بچوں کی خاطر قربان کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالی نے جہاں اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ساتھ والدین کا بھی شکر گزار رہنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، سورۃ نعمان میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾(۳) ترجمہ: کہ میرا شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو، میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ میں نے خراسان سے اپنی والدہ کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور بیت اللہ لایا اور اسی طرح کندھے پر اٹھا کر حج کے مناسک ادا کروائے، کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''نہیں ہرگز نہیں، یہ سب تو ماں کے اس ایک چکر کے برابر بھی نہیں جو اس نے تجھے پیٹ میں رکھ کر لگایا تھا۔

اللہ تعالی نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانا﴾ یعنی ان کے ساتھ انتہائی تواضع وانکساری اور اکرام واحترام کے ساتھ پیش آئے، بے ادبی نہ کرے، تکبر نہ کرے، ہر حال میں ان کی اطاعت کرے، اِلا یہ کی وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت جائز نہیں۔ سورہ عنکبوت میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾(۴) ترجمہ: ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر وہ تجھ پر اس بات کا ذور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرے شریک

ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی کوئی دلیل تیرے پاس نہ ہو تو ان کا کہنا مت ماننا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا فرمان: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کس طرح کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: !تو ان پر اپنا مال خرچ کر، اور وہ تجھے جو حکم دیں اس کی تعمیل کر، ہاں اگر گناہ کا حکم دیں تو مت مان۔(۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ تم ان کے سامنے اپنے کپڑے بھی مت جھاڑو، کہیں کپڑوں کا غبار اور دھول ان کو نہ لگ جائے۔

بڑھاپے میں حسن سلوک کا خصوصی حکم:

اللہ تعالی نے خاص طور سے والدین کے بڑھاپے کو ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر ان میں کوئی ایک یا وہ دونوں تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ''اف'' بھی مت کہنا اور نہ ان سے جھڑک کر بات کرنا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں ''اف'' کا ترجمہ ''ہوں'' سے کیا ہے کہ اگر ان کی کوئی بات ناگوار گزرے تو ان کو جواب میں ''ہوں'' بھی مت کہنا۔ اللہ رب العزت نے بڑھاپے کی حالت کو خاص طور سے اس لیے ذکر فرمایا کہ والدین کی جوانی میں تو اولاد کو نہ ''ہوں'' کہنے کی ہمت ہوتی اور نہ ہی جھڑکنے کی، جوانی میں بدتمیزی اور گستاخی کا اندیشہ کم ہوتا ہے، البتہ بڑھاپے میں والدین جب ضعیف ہو جاتے ہیں اور اولاد کے محتاج ہوتے ہیں تو اس وقت اس کا زیادہ اندیشہ رہتا ہے۔، پھر بڑھاپے میں عام طور سے ضعف کی وجہ سے مزاج میں چڑچڑاپن اور جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے، بعض دفعہ معمولی باتوں پر اور بسا اوقات درست اور حق بات پر بھی والدین اولاد پر غصہ کرتے ہیں، تو اب یہ اولاد کے امتحان کا وقت ہے کہ وہ اس کو برداشت کر کے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں، یا ناک بھوں چڑھا کر بات کا جواب دیتے ہیں، اس موقعہ کے لیے اللہ تعالی نے یہ حکم دیا ہے کہ جواب دینا اور جھڑک کر بات کرنا تو دور کی بات ہے، ان کو ''اف'' بھی مت کہنا اور ان کی بات پر معمولی سی ناخوشگواری کا اظہار بھی مت کرنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر والدین کی بے ادبی میں ''اف'' سے بھی کوئی کم درجہ ہوتا تو اللہ جلّ شانہ اسے بھی حرام فرما دیتے۔(٦)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول:

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر والدین بوڑھے ہو جائیں اور تمھیں ان کا پیشاب دھونا پڑ جائے تو بھی ''اف'' مت کہنا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔(۷)

والدین کا ادب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی بھی تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ بوڑھا کون ہے؟ اس شخص نے جواب میں کہا کہ یہ میرا باپ ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: لا تمشي أمامه، ولا تقعد قبله، ولا تدعه باسمه، ولا تستب له. (۸) یعنی ان کے آگے مت چلنا، مجلس میں ان سے پہلے مت بیٹھنا، ان کا نام لیکر مت پکارنا، ان کو گالی مت دینا۔

بڑھاپے میں جب والدین کی کوئی بات ناگوار گزرے تو ان سے کیسے گفتگو کی جائے، اس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيما ﴾ (۹) یعنی: ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اچھی بات کرنا، لب و لہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر و تکریم کا خیال رکھنا۔ قول کریم کے بارے میں حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا: قول العبد المذنب للسيد اللفظِ (۱۰) خطار کار اور زر خرید غلام سخت مزاج اور ترش روی آقا سے جس طرح بات کرتا ہے اس طرح بات کرنا یہ قول کریم ہے۔

آگے فرمایا: ﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾ یعنی ان کے سامنے شفقت کے ساتھ انکساری سے جھکتے رہنا۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ نے قران میں والدین کے سامنے جھکے رہنے کا حکم دیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں تو ترچھی نگاہ سے بھی ان کو مت دیکھ کہ آدمی کی ناگواری اول اس کی آنکھ سے پہچانی جاتی ہے۔ (۱۱) اور فرمایا کہ ان کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ تیری وجہ سے ان کی دلی رغبت پوری کرنے میں فرق نہ آئے اور جس چیز کو والدین پسند کریں تو وہ ان کی خدمت میں پیش کرنے میں کنجوسی مت کرنا۔ [برالوالدین: ۴۰]

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ والدین کی خدمت و اطاعت کا حکم کسی زمانے و عمر کے ساتھ مقید نہیں، بہر حال ہر عمر میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا واجب ہے، کیونکہ والدین کی خدمت اور ان کی رضا مندی میں اللہ تعالی کی رضا مندی ہے اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ (۱۲)

اللہ تعالی کی رضا و ناراضگی: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رضا الله مع رضا الوالدين و سخط الله مع سخط الوالدين. (۱۳) یعنی اللہ کی رضا مندی والدین کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔

جنت یا جہنم کے دروازے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من أصبح مطیعا فی والدیه أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن کان واحدا فواحدا، ومن أمسی عاصیا للّٰہ فی والدیه أصبح له بابان مفتوحان من النار، وإن کان واحدا فواحدا، قال الرجل: وإن ظلماہ ؟ قال: وإن ظلماہ، وإن ظلماہ، وإن ظلماہ.(١٤)

یعنی جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اللہ کا فرمانبردار رہا تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے تو جنت کا ایک دروازہ کھلا رہتا ہے۔اور جس نے اپنے والدین کے حقوق کہ ادائیگی میں اللہ کی نافرمانی کی، اس کے بتائے ہوے احکامات کے مطابق حسن سلوک نہ کیا تو اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھلے رہتے ہیں اور اگر والدین میں ایک زندہ ہو اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرے تو جہنم کا ایک دروازہ کھلا رہتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی اگرچہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا: اگرچہ والدین نے ظلم کیا ہو۔

حضرت رفاعہ بن ایاس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ رونے لگے، کسی نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا: کان لي بابا ن مفتوحان إلی الجنته وأغلق أحد هما یعنی میرے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے تھے اب ایک والدہ کی وفات پر ایک بند ہو گیا ہے اس لیے رو رہا ہوں۔ کسی قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے والدین زندہ ہیں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں اور ان کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

والدین کے لیے دعا کا اہتمام کرنا:

اللہ تعالیٰ نے جہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے وہی پر ان کے لیے دعا کرنے کی تعلیم بھی ارشاد فرمائی ہے، چناں چہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيَانِىۡ صَغِيۡرًا﴾ (١۵) یعنی: اے میرے پروردگار! تو میرے والدین پر ایسے ہی رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں رحمت و شفقت کے ساتھ میری پرورش کی ہے۔ ہر نماز کے بعد والدین کے لیے دعا کرنے کا معمول بنالیں، دو بہت آسان دعائیں جن کی تعلیم خود اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں دی ہے، ایک ماقبل والی اور دوسری یہ: ﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡحِسَابُ﴾ (١٦) یعنی اے میرے پروردگار! روز حساب تو میری، میرے والدین کی اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرما۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: من صلی الصلوات الخمس فقد شکر اللّٰہ، ومن دعا للوالدین في أدبار الصلوات الخمس فقد شکر الوالدین.(١٧) یعنی جس نے پانچ

وقت کی نماز کی ادائیگی کا اہتمام کیا تو گویا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور جس نے پانچ نمازوں کے بعد والدین کے لیے دعائے خیر کی تو گویا اس نے والدین کا شکر ادا کیا۔ اولاد کی دعا سے والدین کے درجات بلند ہوتے ہیں، حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی ملاقات کے لیے گئے تو وہاں عرش کے سائے تلے ایک شخص کو دیکھا اور اس کی حالت اتنی اچھی تھی کہ خود موسیٰ علیہ السلام کو اس آدمی پر رشک آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا کہ اے اللہ! تیرا یہ بندہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کان لا یحسد الناس علی ما آتاهم الله من فضله، وکان لا یعق والدیه، ولا یمشی بالنمیمة.(۱۸) یعنی یہ شخص تین کام کرتا تھا (۱) جو چیزیں میں نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو نعمتیں عطا کی ہیں ان پر حسد نہیں کرتا تھا (۲) والدین کی نافرمانی نہیں کرتا تھا (۳) چغل خوری نہیں کرتا تھا۔

رزق میں اضافہ:

والدین کے ساتھ حسن سلوک رزق و عمر میں اضافہ کا سبب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من أحب أن یمد الله في عمره ویزید في رزقه فلیبر والدیه، ولیصل رحمه.(۱۹) یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کی عمر دراز کر دے اور رزق میں اضافہ فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بروا آباء کم تبرکم أبناؤ کم.(۲۰) یعنی تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو تمہاری اولاد تمھارے ساتھ حسن سلوک کرے گی۔

موت کے بعد والدین سے حسن سلوک کا طریقہ: والدین دونوں یا ان میں کوئی ایک فوت ہو گیا ہو اور زندگی ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا اور کوتاہی ہوئی تو اب تدارک کیسے کیا جائے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ ماں باپ کی وفات کے بعد بھی کوئی چیز ایسی ہے جس کے ذریعے ان سے حسن سلوک کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم، الصلاة علیهما، والاستغفار لهما، وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التی لا توصل لا بهما، وإکرام صدیقهما.(۲۱) ہاں! ان کے لیے رحمت کی دعا کرنا، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا، ان کے بعد ان کی وصیت کو نافذ کرنا اور اس صلہ رحمی کو نبھانا جو صرف ماں باپ کے تعلق کی وجہ سے ہو، ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف لائے تو تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان سے ملنے کے لیے آئے اور پوچھا تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھارے پاس کیوں آیا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، تو فرمایا میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: من أحب أن یصل أباه فی قبره فلیصل إخوان أبیه

بعده .(۲۲) یعنی جو یہ چاہتا ہے کہ اپنے باپ کے ساتھ قبر میں صلہ رحمی کرے تو اس کو چاہیے کہ ان کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، میرے والد عمر رضی اللہ عنہ اور تمھارے والد کے درمیان دوستی تھی میں نے چاہا کہ میں اسے نبھاوں (اس لئے تم سے ملنے آیا ہوں)۔

آخر میں گذارش کہ جن کے والدین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک حیات ہے تو ان کو اللہ کی بہت بڑی نعمت سمجھ کر ان کی فرمانبرداری کرے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، جتنا ہو سکے ان کی خدمت کرے اور ان کے حقوق کو ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے اور جن کے والدین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اس دنیا سے گئے ہیں تو ان کے ساتھ اب حسن سلوک یہ ہے کہ ان کی وصیت کو نافذ کرے، ان کے ذمہ کوئی قرضہ ہو تو اسے ادا کرے، شرعی حصص کے مطابق میراث کو تقسیم کرے، خود دینی تعلیم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے، ان کے لئے دعا کرے، اللہ سے ان کے لئے رحمت و مغفرت طلب کرے، ان کی طرف سے صدقہ کرے، ان کی طرف سے نفلی حج و عمرہ کرے، کہیں کنواں کھدوائے یا لوگوں کے پینے کے پانی اکا انتظام کرے، دینی کتابیں خرید کر وقف کرے، مسجد بنوائے، مدرسہ بنوائے یا دینی علم حاصل کرنے والے مہمانان رسول کی ضروریات کو پورا کرنے میں تعاون کرے، والدین کے قریبی رشتہ داروں اور تعلق والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے، نفلی اعمال کر کے ان کے لیے ایصال ثواب کرے، اپنے علاقہ، ملک اور دنیا بھر میں مظلوم مسلمانوں کی حالت زار کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مال کے ساتھ ان کی خیر گیری کرے، اللہ تعالی تمام اہل ایمان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق سے نوازے، آمین، ثم آمین۔

حوالہ جات

(۱)الاسراء:۲۳۔۲۵......(۲)الاحقاف:۱۵......(۳)لقمان:۱۴......(۴)العنکبوت:۸......(۵)الدرالمنثور:۵/۲۲۴......(۶)الدالمنثور:۵/۲۲۴......(۷)حوالہ سابق......(۸)معجم الأوسط، للطبراني: ۴/۲۶۷، رقم الحديث: ۴۱۶۹ ......(۹)الاسراء:۲۳......(۱۰)الدر المنثور: ۵/۲۲۵ ......(۱۱)الدر المنثور: ۵/۲۲۵ ......(۱۲)معارف القرآن:۵/۴۶۶......(۱۳)شعب الإيمان: ۶/۱۷۷، رقم الحديث: ۷۸۲۹،۷۸۳۰......(۱۴)شعب الإيمان: ۶/۲۰۶، رقم الحديث: ۷۹۱۶...... (۱۵)الاسراء :۲۴......(۱۶)الإبراهيم:۴۱......(۱۷)تفسير الخازن المسمى: لباب التأويل في معانى التنزيل، سورة لقمان: ۵/۲۱۶......(۱۸)مكارم الأخلاق لابن أبى الدنيا: ۱/۸۶، رقم الحديث: ۲۵۷......(۱۹)شعب الإيمان: ۶/۱۸۵، رقم الحديث: ۷۸۵۵......(۲۰)المعجم الأوسط:۱/۲۹۹، رقم الحديث: ۱۰۰۲......(۲۱)سنن أبي داود: ۵۰۰، رقم الحديث: ۵۱۴۴......(۲۲)صحيح ابن حبان:۲/۱۷۵، رقم الحديث:۴۳۲

☆......☆......☆......☆

ابو محمد چوہان سلیم اللہ سندھی ڈائریکٹر عبید اللہ سندھی اکیڈمی راجو گوٹھ

حضرت صوفی خدا بخش چوہانؒ......تعارف، حیات و خدمات

اِس دنیا کے جہان میں بہت سی اہم شخصیات نے جنم لیا ہے، جن کے کردار وافکارِ صالحہ کی بنا پر ان کا نام رہتی دنیا تک روشن و تابندہ رہتا ہے۔ایسی ہی عظیم شخصیات میں سے میرے مربی، میرے محسن اور میرے والد گرامی صوفی خدا بخش چوہان بانی: ''مدرسہ دار التعلیم حمادیہ، گلشن امام سندھیؒ'' بھی ایک تھے، جنہوں نے اپنے اعمال صالحہ، کریمانہ اخلاق اور بیشمار خوبیوں کی وجہ سے اپنا نیک نام چھوڑا ہے۔ یہاں حضرت والد گرامی جناب صوفی خدا بخش کی مختصر سوانح حیات لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

تعارف: خدا بخش بن اللہ بخش بن خدا بخش چوہان

ولادت: ۱۹۴۴ء گوٹھ راجو چوہان، تحصیل لکھی غلام شاہ، ضلع شکار پور میں ہوئی۔

تعلیم:

حضرت والد محترم باضابطہ عالم فاضل نہ تھے البتہ علماء وصلحاء کے صحبت یافتہ ضرور تھے، دنیوی تعلیم پانچ جماعتیں اپنے گاؤں راجو گوٹھ میں حاصل کی، قرآن پاک ناظرہ کی تعلیم بھی اپنے اسی گاؤں میں حاصل کی، فقط ناظرہ اور اسکول کی پانچ جماعتیں پڑھ کر اتنی خدمات سرانجام دیں کہ انکی خدمات قابل رشک ہیں، مجھے اپنے رب سے قوی امید ہے کہ ان خدمات کی وجہ وہ بخشے جائیں گے۔آپکو اللہ پاک نے بہت خوبیوں سے نوازا تھا، انکی تمام خوبیوں کو قلم کے حوالے کرنا تو بہت مشکل ہے، البتہ انکی چیدہ چیدہ خوبیوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی ادنی کوشش کر رہا ہوں۔حضرت والد گرامی کی اہم خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ صوم صلاۃ کے پابند تھے، سفر میں ہوں یا حضر میں، تندرست ہوں یا علالت میں ہوں وہ صوم وصلاۃ کو پابندی سے ادا کرتے تھے۔اس کے علاوہ تہجد پڑھنا ان کی عادت ثانیہ تھی، میں نے جب شعور والی زندگی پر قدم رکھا تو اپنے والد محترم کو رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے، قادری طریقہ سے ذکر واذکار کرتے، اپنے رب کے حضور میں دعائیں مانگتے دیکھا۔آپ مستجاب الدعوات تھے، کسی بھی مسئلہ میں پریشان ہوتے تو اللہ رب العالمین کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔اور انکا اصلاحی تعلق قطب الاقطاب حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ کے جانشین حضرت مولانا حافظ محمود اسعدؒ سے تھا، ان سے خوب کسب فیض کیا، اسی فیض وصحبت کی برکت تھی کہ خود تو کسی سبب عالم نہ بن سکے، البتہ انہوں نے اپنی اولاد کو دین کی تعلیم کے لیے وقف کیا۔(بندہ ناچیز بہن بھائیوں میں بلحاظِ عمر سب سے بڑا ہے۔دینی تعلیم مکمل کرنے سے اب تک تصنیف وتالیف سے وابستہ ہے۔

سندھی زبان میں متعدد کتب تصنیف وترجمہ کرچکا ہے۔ بحمداللہ تعالیٰ و بفضلہ)

اس کے علاوہ اپنے گاؤں میں ۱۹۸۱ء سے لے کر وفات تک دینی، اصلاحی جلسے منعقد کراتے رہے۔ نہایت مجاہدانہ زندگی گذاری، اخلاص اور راست گوئی میں ضرب المثل تھے، آپؒ میں دینی جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، جمعیۃ علماء اسلام کے فعال رکن تھے، استقامت کے جبل تھے، ۲۰۰۷ء کے بلدیاتی الیکشن میں جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے ضلع شکارپور تحصیل لکھی غلام شاہ میں جنرل کونسلر کے امیدوار بھی بنے تھے، جس کی وجہ وڈیروں کی نیندیں حرام ہوگئی تھی۔ حضرت والد صاحب کو ڈرایا دھمکایا گیا لیکن آپ اپنے مشن و پروگرام سے دستبردار نہیں ہوئے، یہ ان کا دینی و مذہبی جذبہ قابل تعریف تھا کہ ایک غریب گھرانے کی جماعت کے حکم کو لبیک کہہ کر وڈیروں سے دشمنی مول لی۔ آپ نے جتنے بھی جماعتی، سماجی، اور مذہبی کام کیے ان میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ نے تمام کام مخالفت کے باوجود خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام روشن وتابندہ رہیگا۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو نیک کام کیے ان پر سرسری نظر ڈالوں گا۔

مساجد و مدارس تعمیر کرانا:

حضرت والد صاحبؒ کی زندگی کا سب سے اہم ترین مقصد مساجد و مدارس کی تعمیرات تھی اور آپ نے اپنے گاؤں میں دو مساجد اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ یقیناً یہ بھی آپؒ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

جامع مسجد اقصیٰ راجو گوٹھ کی تعمیر:

یہ مسجد ہمارے گاؤں کی سب سے پرانی مسجد ہے، یہ گاؤں کے بالکل اندر ہے، جیسے جیسے گاؤں کے مکانات کی تعمیرات ہوتی گئی تو مسجد نیچی ہوگئی، برسات وغیرہ کا پانی مسجد میں آتا تھا۔ حضرت والد گرامی کو خیال ہوا کہ مسجد کی از سر نو تعمیر کی جائے، چنانچہ انھوں نے گاؤں والوں سے مشورہ کیا کہ مسجد کی نئی تعمیر کی جائے۔ کسی ایک نے بھی والد صاحب کی حمایت نہیں کی، کسی نے تو یہ کہا کہ آپ کے پاس اگر ایک لاکھ کی مالیت ہے تو پھر مسجد کا کام شروع کریں۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ: میرے پاس اتنی مالیت تو نہیں، البتہ مجھے اپنے خالق حقیقی اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے، اُسی کا نام لے کر کام شروع کروں گا، وہی ذات اِس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے گی۔ بالآخر حضرت والد صاحب نے اللہ رب العالمین کا نام لیکر کام شروع کیا، دس بارہ سالوں کی محنت اور لگن سے ایک شاندار مسجد بن گئی، اسی مسجد میں بندہ نے دینی تعلیم کا آغاز کیا ہے۔

مچ والی مسجد کی تعمیر:

(مچ سندھی زبان میں آگ کو کہتے ہیں، اِس مسجد کے قریب لوگ آگ جلا کر مجلس کیا کرتے تھے، اِس وجہ سے اس کا نام ہی ''مچ والی مسجد'' پڑ گیا۔) یہ مسجد بھی بہت پرانی تھی، زمانے کے گردش سے مسجد شریف منہدم ہوگئی تھی، اِس مسجد کو بھی نئی سرے سے حضرت والد صاحبؒ نے تعمیر کرایا، امامت بھی خود ہی کراتے

تھے، یہ بھی ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

مدرسہ عربیہ دارالتعلیم حمادیہ گلشن امام سندھی کی تعمیر:

مساجد کی تعمیر کے بعد حضرت والد صاحب کو فکر لاحق ہوئی کہ اب اس گاؤں میں ایک دینی مدرسہ ہونا چاہیے جو نئی نسل کی دینی و مذہبی حوالے سے نشو ونما کر سکے، اِس کے ساتھ ساتھ عقائد کی اصلاح بھی ہو سکے، مدرسہ کے لیے جو اہم مسئلہ تھا وہ جگہ کا تھا کہ جگہ مناسب وموزوں ہو، ایک جگہ حضرت والد گرامی کی نظر میں تھی، لیکن اس میں کچھ رکاوٹ تھی، جگہ کے مالکان جگہ دینے پر راضی نہ تھے، حضرت والد گرامیؒ نے رات کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں دعائیں مانگیں، اللہ تعالی نے وہ دعائیں قبول کیں تو جگہ کے مالکان میں سے مرحوم بنگل فقیر حضرت والد صاحب کے پاس خود آئے اور کہا کہ ہم یہ جگہ آپ کو مدرسہ کے لیے وقف کرنے آئے ہیں، حضرت والد صاحب نے فرمایا: ''کہ اب زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے، اَب میرے اِس کمزور جسم میں اتنی ہمت کہاں کہ مدرسہ تعمیر کراؤں؟'' مرحوم بنگل فقیر نے بہت اِصرار کیا کہ آپ کو جگہ لینی ہے اور مدرسہ تعمیر کرنا ہے، حضرت والد صاحبؒ نے اللہ کی ذات کا نام لے کر کام شروع کیا، یوں دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم الشان ادارہ ''مدرسہ عربیہ دارالتعلیم حمادیہ گلشن امام سندھی'' بن گیا، یوں ان کی زندگی میں سب سے محبوب عمل آخری عمل: "إنما الأعمال بالخواتيم" کی عملی تصویر بن گیا۔ یہ بھی ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے ۔اللھم زد فزد. آمین۔ ایک ایسا مرد قلندر اس قافلے سے کوچ کر گیا جو سارے گلشن کو ویران کر گیا

کیا پسند تیری اے فرشتۂ اجل پھول تو نے وہ چنا جو سارے گلشن کو ویران کر گیا

حضرت والد گرامیؒ نے اپنے گاؤں میں دینی جلسے کرانے کا بیڑا اُٹھایا تھا، یہ سلسلہ ۱۹۸۱ء سے وفات تک جاری رہا۔ ان جلسوں میں سندھ/پنجاب کے مشہور خطباء تشریف لاتے تھے۔ جن میں چند قابل ذکر نام یہ ہیں: حضرت مولانا سید محمد شاہ امروٹی رحمہ اللہ، مناظر اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبد الغفور حقانی شجاع آباد پنجاب، حضرت مولانا سید سراج احمد شاہ امروٹی مدظلہ، حضرت مولانا میر محمد میرک والے، حضرت مولانا عبدالغنی پنجاب، وغیرہ

وفات حسرت آیات:

جس طرح آپ نے زندگی بھی شاندار اور مجاہدانہ گذاری، وفات بھی قابل رشک تھی کہ نماز پڑھتے اپنا سر سجدے میں رکھتے ہوئے جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی، وفات ۲/اگست ۲۰۱۵ء مغرب نماز پڑھتے پہلی رکعت کے سجدے میں ہوئی۔ ان کی وفات سے بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

تجہیز و تکفین:

حضرت والد گرامی کے غسل میں راقم الحروف اور میرے چھوٹے بھائی عطاء اللہ شریک تھے۔

نماز جنازہ:

آپؒ کی نماز جنازہ اُن کے قائم کردہ ادارہ ''مدرسہ عربیہ دار التعلیم حمادیہ، گلشن امام سندھی'' میں سید السادات حضرت مولانا حافظ سید احمد شاہ بخاری ابن مناظر اسلام سید عبداللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے پڑھائی، ان کے نماز جنازہ میں کافی علماء شریک ہوئے تھے، جن میں: مولانا تاج محمد مہر، ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام تعلقہ لکھی غلام شاہ، مولانا رشید احمد شاہ بخاری، مولانا فیض محمد چوہان، مولانا محمد داؤد ڈٹا نوری، مولانا رحیم بخش مہر وغیرہ شامل ہیں۔

ہمارے ہاں تشریف لا کر تعزیت کرنے والوں میں مولانا محمد رمضان پھل پوٹو جوائٹ سکریٹری صوبہ سندھ، مولانا مسعود احمد سومرو، مولانا سید ولی اللہ شاہ امروٹی، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء اسلام ضلع شکار پور، مولانا عبداللہ مہر سومرانی شریف، امیر: جمعیۃ علماء اسلام تعلقہ لکھی غلام شاہ، وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ مولانا ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی سابق ڈین عربک ڈپارٹمنٹ کراچی یونی ورسٹی نے فون پر تعزیت فرمائی۔

باقیات الصالحات:

حضرت والد گرامی نے اپنے پیچھے ایک نام، نیک کام جو کہ مساجد و مدارس کی صورت چھوڑا ہے جس سے رہتی دنیا تک اُن کا نام روشن رہے گا۔ ان شاء اللہ

پسماندگان میں ہم دو بھائی بندہ سلیم اللہ چوہان، بھائی عطاء اللہ چوہان اور ہماری تین ہمشیرگان شامل ہیں۔ دعا ہے اللہ رب العزت انہیں اپنی جوار رحمت جگہ دے آمین۔ ☆☆☆☆

از: مولانا عمران پٹیل فلاحی، استاذ جامعہ قاسمیہ عربیہ، بھروچ

موبائل کی کہانی خود اس کی زبانی

قابلِ قدر و قابلِ رشک طلبۂ کرام!

آپ تمام حضرات مجھ بے روح ڈھانچہ کو بہت قریب سے جانتے ہیں؛ بلکہ کچھ بعید نہیں کہ عین اس وقت بھی میرے بارگراں سے آپ کی سفید قبا بوجھل ہورہی ہوگی؛ یقیناً مجھ جیسے ''برائیوں کے پلندے'' اور ''بدنام زمانہ'' کی کیا مجال کہ آپ جیسے نیک منش، سفید پوش و دستار بند علم وفضل سے آراستہ تقوی و پرہیزگاری سے پیراستہ بزرگوں کے سامنے کچھ لب کشائی کرسکوں! اور ویسے بھی مجھے اپنے دلداروں اور عاشق زاروں کی خدمت گذاری سے فرصت کہاں؟ لیکن بڑی مشکل سے ہمت جٹا کر موقع نکال کر اپنی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے ''وشهد شاهد من اهلها'' اور ''وشهدوا على انفسهم'' کا نمونہ بنتے ہوئے کچھ کھری کھری اور دوٹوک باتیں آپ ''طالبانِ علومِ نبوت'' کی خیرخواہی ومحبت میں آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ دل کے کانوں سن کر عبرت حاصل کریں گے۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

حضرات! میری شخصیت کے کچھ مثبت پہلو یقیناً ایسے ہیں جن کی افادیت سے کسی کو شاید ہی اختلاف ہو! مثلاً میں مشرق ومغرب کے فاصلوں کو چشمِ زدن میں سمیٹ لیتا ہوں، میری برقی لہریں ہوا کے دوش پر سوار رہ کر حیاتِ انسانی کو ہمہ وقت متحرک وفعال رکھتی ہیں، میں آڑے وقت میں لوگوں کے کام نکالتا ہوں؛ مگر بایں ہمہ میں اپنے چھوٹے سے وجود میں سینکڑوں برائیوں کا ایک طوفان بلاخیز لیے پھرتا ہوں؛ جس کی زد میں آکر بے شمار لوگ ہلاکت وبربادی کی نذر ہوچکے ہیں اور ان پر ''خسر الدنيا والآخرة'' کی مہر لگی چاہتی ہے، ان ہی ہلاکت خیزیوں کے باعث مجھے خواہی نہ خواہی یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں ''واثمهما اكبر من نفعهما'' کا صدفی صد مصداق ہوں؛ تو لیجیے! آپ کی قیمتی وقت ضائع کیے بغیر مشتے ازخروارے کے طور پر اپنی چند فتنہ سامانیاں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں؛ میری حقیقت سے نقاب کشائی کے لیے یہی بہت کافی ہیں۔

۱...... میں اپنے اندر عریانیت و بے حیائی کے وہ مناظر رکھتا ہوں جن سے بے شمار شریف کہے جانے والے لوگوں کی قبائے حیا تار تار ہو کر رہ گئی ہے۔

۲...... بہت سے وہ لوگ جو اپنے خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے خلوتیں تلاش کرتے تھے وہ میرے دامِ تزویر میں ایسے پھنسے کہ اب وہ میری ہی معیت و رفاقت کی شراب سے اپنے کام و دہن کی لذت کا سامان کرنے لگے ہیں، اور شیطان ان پر قہقہے لگا رہا ہے۔

۳...... بہ ظاہر میں خاکی پتلے کا غلام اور انسانی انگلیوں کا تابع ہوں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے قلب و دماغ پر میری حکومت و بالا دستی کا ڈنکا بجنے لگا ہے، میری اداؤں کا جادو اِن کے جسم و جان پر چھائے جا رہا ہے، جس سے مسحور ہو کر لاکھوں انسان اپنے مقصد و ہدف سے غافل ہو چکے ہیں اور میرے عشق میں ڈوب کر افکارِ پریشاں اور احوالِ پراگندہ کو اپنی تقدیر بنا چکے ہیں۔

۴...... جس طرح ملک ہندوستان ''اکّال الامم'' کہلاتا ہے، اِسی طرح آپ مجھے ''اکّال الاوقات'' کہہ سکتے ہیں، اِس لیے کہ اب تک میں نوعِ انسانی کے بیش بہا اوقات کا اتنا بڑا حصہ ضائع کر چکا ہوں، جس کے شمار سے مشینیں عاجز ہیں، اگر وہی لمحے تعمیری و مفید کاموں میں صرف کیے جاتے تو دینی و دنیوی ترقی کی ان گنت منزلیں سر کی جا سکتی تھیں۔

۵...... میرا ایک اہم مشن مسلمانوں کی جیبوں سے اِسلامی تشخص کی حامل اشیاء کا بوجھ ہلکا کرنا ہے؛ چنانچہ جس جیب میں میرا آشیانہ ہوتا ہے وہاں سے تسبیح و مسواک اور ٹوپی جیسی گراں قدر چیزیں رخصت ہو جاتی ہیں، یہی نہیں؛ بلکہ بہت ساری جیبوں سے روپیوں کا بوجھ بھی کم کر دیتا ہوں؛ چنانچہ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ میری برکت سے آپ کے اولیاء کی حلال و پاکیزہ کمائی ''ریچارج'' اور ''انٹرنیٹ پیک'' کے سانچوں میں ڈھل کر بڑی آسانی سے فضاءِ آسمانی میں بکھر جاتی ہے۔

۶...... آپ میری زہرناکی کا اندازہ اِس سے لگا سکتے ہیں کہ اب تک ہزاروں مرد و عورت کے درمیان ان گنت ناجائز بے حجابانہ تعلقات قائم کرنے میں میرا کردار کلیدی رہا ہے، کتنی ہی باحیاء دوشیزائیں میرے توسّط سے بے حیائی میں مبتلا ہو کر اپنے دامنِ عصمت کو داغ دار کر بیٹھی ہیں، اُن کے اولیاء کے لیے رسوائی کے مارے گھر سے باہر قدم نکالنا دوبھر ہو چکا ہے۔ بے شمار شادی شدہ خواتین میرے ذریعہ غیروں کی آشنائی کا شکار ہوئی ہیں، اُن کے ہنستے کھیلتے خاندان اجڑ گئے، کتنے ہی شوہر محض میرے وجود کی نحوست سے اپنی رفیقۂ حیات سے بدگمان بنے ہوئے ہیں۔

۷......اور سنیے! میری اسکرین پر فحش فلموں اور عریاں تصویروں کے مزے لے کر بہتیرے بچے قبل از وقت غیر فطری طور پر بلوغ کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں، جب کہ لاتعداد نوجوان شہوانی خیالات سے بے قابو ہو کر ایسی حرام کاریوں میں مبتلا ہیں کہ بس،......خدا کی پناہ! اب اُن کے کھاتے میں کبیرہ گناہوں اور بہہ جانے والی جوانی پر لاحاصل حسرتوں کے سوا کچھ نہیں بچا، شیطان اتراتا پھر رہا ہے کہ اُس نے نوجوانِ مسلم کو جو کبھی سیف وسنان کا دھنی ہوا کرتا تھا طاؤس ورباب کا رسیا بنا کر چھوڑا ہے۔

۸......اور ہاں! میرا حلقۂ اثر اِس حد تک وسیع ہو چکا ہے کہ مسجدیں، خانقاہیں، دینی مراکز اور مؤقر جلسے بھی میرے زیر اثر آ چکے ہیں، میں نے نمازیوں کا خشوع غارت کر دیا، خلوت گزیں صوفیوں کی خلوتوں پر ڈاکے ڈالے، ذاکرین کے ذکر میں رخنے ڈال کر اُسے بے حقیقت بنایا، طلبہ سے توجہ وانہماک چھین کر اُنھیں علم کی لازوال دولت سے محروم ہونے پر مجبور کر دیا، پروقار دینی مجلسوں کی سنجیدگی ومتانت کو اپنے دل کش ترانوں سے منتشر کر دیا۔

سفینۂ امت کے ملاّحو! آپ ہی بتایئے کہ کیا زندگی کا کوئی شعبہ بھی بچا ہے جسے میں نے اپنی فن کاریوں سے فساد اور بگاڑ کی آماجگاہ نہ بنایا ہو؟ عزیز طلبہ! مذکورہ تلخ حقائق خود میری زبانی سننے کے بعد بھی کیا آپ جیسے غیرت مند لوگوں کی رگِ حمیت حرکت میں نہیں آ رہی ہے؟

میرے پیارو! آخر کوئی تو وجہ ہے کہ بہت ساری عصری تعلیم گاہوں نے، جن کا منتہاءِ مقصود دنیا اور مادّہ ومعدہ کے سوا کچھ نہیں۔ میری تخریب کاریوں سے عاجز آ کر مجھے اپنے اِحاطوں سے باہر ڈھکیلنے پر اتفاق کر لیا ہے، عصری تعلیم میں مشغول بے شمار دور اندیش اور سود وزیاں سے باخبر طلبہ مجھے اپنا دشمن جان کر دور ہی سے سلام کرنے لگے ہیں؛ تاکہ اُن کی تعلیم کا حرج نہ ہو؛ لیکن ہائے افسوس! پیارے بھائیو! میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے، جب میں یہ روح فرسا منظر دیکھتا ہوں کہ آپ جیسے سفید پوش طلبہ علمِ دین کے حصول سے غافل وبے زار ہو کر مجھے اپنے ہاتھوں کی زینت بنائے ہوئے ہیں، اور میرے وجود میں گم ہو کر اپنے خوابوں کی دنیا تلاش کرتے ہیں، اِس وقت میرا دل کڑھتا ہے، میری بے کلی بے چینی کی کوئی انتہاء نہیں رہتی، اور بے ساختہ یہ دعاء زبان پر آ جاتی ہے کہ بارِ الٰہی! مجھے اِس ہونہار طالب علم (جسے دنیا مہمانانِ رسول کے مقدس نام سے جانتی ہے) کی ہلاکت وبربادی کا ذریعہ نہ بنا، خدایا! اگر یہ ضائع ہو گیا تو تیرے حبیب کی امت کے رِستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنے والا کون رہ جائے گا؟

مجھے اُمید ہی نہیں؛ بلکہ یقین ہے کہ آپ جیسے مہمانانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخلصانہ آمین سے یہ دعاء ضرور قبول ہوگی۔ (بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم، دیوبند)

مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی...... بنام مولانا نثار احمد الحسینی

آج سے تقریباً دو ماہ قبل مورخہ ۱۷/صفر ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۸/نومبر ۲۰۱۶ء کو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ نے اپنا ایک مکتوب گرامی مجلّہ 'صفدر' میں اشاعت کے لیے ارسال فرمایا۔ یہ خط حضرو ضلع اٹک کے ایک صاحب جناب مولانا نثار احمد الحسینی صاحب کے نام تھا۔اور مکتوب گرامی کی جو کاپی ہمیں موصول ہوئی اس پر حضرت رحمہ اللہ کے اپنے قلم سے تحریر فرمودہ حکم نامہ موجود تھا کہ: ''صفدر میں اشاعت کے لیے بھیج دیا جائے۔'' جب وہ مکتوب موصول ہوا تو شمارہ ۷۰/ پریس جا چکا تھا اور ٹائٹل بھی طبع ہو چکا تھا۔اس لیے اس مکتوب کی فوری اشاعت ممکن نہ ہوسکی۔اور اس کے بعد ''صفدر'' کا شمارہ (۷۱) بوجوہ بروقت شائع نہ ہوسکا۔اِس لیے حضرت رحمہ اللہ کا وہ مکتوب گرامی زیرنظر شمارے میں شائع کیا جارہا ہے۔

مکتوبِ گرامی موصول ہونے کے بعد حضرت سے درخواست کی گئی کہ مولانا نثار احمد الحسینی صاحب سے متعلقہ مکمل خط وکتابت ارسال فرمادی جائے تو نوازش ہوگی۔ بعدازاں وہ بھی موصول ہوگئی۔ مکمل خط وکتابت ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں شائع کی جائے گی۔

شنید ہے کہ مولانا نثار احمد صاحب اِس مکتوب کی حضرت رحمہ اللہ کی طرف نسبت کو درست نہیں سمجھتے۔(کیونکہ یہ مکتوب گرامی اُن کے حق میں نہیں ہے۔) اگر مولانا نثار صاحب اِس مکتوب کو حضرت رحمہ اللہ کا مکتوب تسلیم نہیں کرنا چاہتے تو اُن کی مرضی ہے۔ ہمارے پاس چونکہ حضرت رحمہ اللہ کے اپنے قلم سے اِس مکتوب کی صفدر میں اشاعت کے لیے بھیجے جانے کا حکم نامہ موجود ہے۔اِس لیے تعمیل حکم میں اِسے شائع کیا جارہا ہے۔مکتوب رسالہ کی پشت (بیک ٹائٹل) پر ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۱۶/جنوری ۲۰۱۶ء۔[ادارہ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولانا نثار احمد الحسینی حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر نے ۲۵ر شوال ۱۴۳۷ھ۔ ۳۱ر جولائی ۲۰۱۶ء کو ایک خط مع تحریر کے آپ کو بھیجا تھا، جس میں آپ سے کہا تھا کہ احقر نے آپ کی درخواست پر آپ کو چاروں سلاسل میں جو اجازت وخلافت دی تھی، وہ مرحوم صوفی محمد اقبال کی خلافت کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی، اس لیے کہ احقر شیخ محمد علوی مالکی سے بیعت کے بعد صوفی محمد اقبال کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے مسلک کا امین اور مشرب کا ترجمان نہیں سمجھتا۔

صوفی صاحب سے خلافت کے بعد احقر کو اُصولاً آپ کو خلافت دینی ہی نہیں چاہیے تھی، لیکن خلافت دیتے وقت احقر اس سے لاعلم تھا، لہٰذا علم ہو جانے کے بعد آپ کو تنبیہ کی تھی کہ آپ صوفی محمد اقبال کی خلافت سے اپنا تعلق علی الاعلان منقطع کریں۔ اس کے علاوہ آپ سے متعلق دیگر امور ذکر بالجہر پر تداعی اور خلافتوں کے انبار جمع کرنے وغیرہ سے متعلق احقر کو شرح صدر نہیں ہے۔

ہماری خلافت کو باقی رکھنے کی فقط ایک صورت ہے کہ آپ ہماری ارسال کردہ تحریر پر دستخط کر دیں اور عملاً اس پر قائم رہیں۔ آپ نے صاف صاف رجوع کی بجائے تاویلات کی راہ اختیار کی۔

احقر نے آپ سے قدیم تعلق کی بنا پر اپنے معمول کے برعکس آپ کو نظر ثانی کا ایک موقع اور دیا اور ایک خط مزید بھیجا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ گزر جانے کے باوجود آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آپ کی نظر میں یہ مسئلہ ترجیح یا اہمیت کا حامل نہیں ہے، لہٰذا اَحقر آپ کو دی گئی اپنی خلافت سلب کرتا ہے۔ اب آپ نہ ہمارے خلیفہ ہیں اور نہ ہی معتمد۔ آئندہ ہم سے رجوع نہ کیا جائے۔

والسلام

سلیم اللہ خان

خادم: جامعہ فاروقیہ کراچی

صدر: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۸ھ......۱۹ر اکتوبر ۲۰۱۶ء

JAMIA FAROOQIA KARACHI

P.O. Box No. 11020, Shah Faisal Town, Block 4
Karachi, Pakistan

جامعہ فاروقیہ کراچی

پوسٹ بکس نمبر 11020، شاہ فیصل ٹاؤن، بلاک نمبر 4
کراچی، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب مولانا نثار الحسینی حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر نے ۲۵ رشوال ۱۴۳۷ھ / ۳۱ رجولائی ۲۰۱۶ء کو ایک خط مع تحریر کے آپ کو بھیجا تھا، جس میں آپ سے کہا تھا کہ احقر نے آپ کی درخواست پر آپ کو چاروں سلاسل میں جو اجازت وخلافت دی تھی، وہ مرحوم صوفی محمد اقبال کی خلافت کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی، اس لیے کہ احقر شیخ محمد علوی مالکی سے بیعت اور خلافت کے بعد صوفی محمد اقبال کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے مسلک کا امین اور مشرب کا ترجمان نہیں سمجھتا۔

صوفی صاحب سے خلافت کے بعد احقر کو اصولاً آپ کو خلافت دینی ہی نہیں چاہیے تھی، لیکن خلافت دیتے وقت احقر اس سے لاعلم تھا، لہٰذا علم ہو جانے کے بعد آپ کو تنبیہ کی تھی کہ آپ صوفی محمد اقبال کی خلافت سے اپنا تعلق علی الاعلان منقطع کریں۔ اس کے علاوہ آپ سے متعلق دیگر امور مثلاً ذکر بالجہر پر تداعی اور خلافتوں کے انبار جمع کرنے وغیرہ سے احقر کو شرح صدر نہیں ہے۔

ہماری خلافت کو باقی رکھنے کی فقط ایک صورت ہے کہ آپ ہماری ارسال کردہ تحریر پر دستخط کر دیں اور عملاً اس پر قائم رہیں۔ آپ نے صاف صاف رجوع کی بجائے تاویلات کی راہ اختیار کی۔

احقر نے آپ سے قدیم تعلق کی بنا پر اپنے معمول کے برعکس آپ کو نظر ثانی کا ایک موقع اور دیا اور ایک مزید خط بھیجا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ گزر جانے کے باوجود آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آپ کی نظر میں یہ مسئلہ ترجیح یا اہمیت کا حامل نہیں ہے، لہٰذا احقر آپ کو دی گئی اپنی خلافت سلب کرتا ہے۔ اب آپ نہ ہمارے خلیفہ ہیں اور نہ ہی معتمد۔ آئندہ ہم سے رجوع نہ کیا جائے۔

والسلام

سلیم اللہ خان

سلیم اللہ خان

۱۷ رمحرم الحرام ۱۴۳۸ھ / ۱۹ راکتوبر ۲۰۱۶ء

خادم جامعہ فاروقیہ، کراچی

صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

صدر اتحاد تنظیمات مدارس، پاکستان

مجلہ صفدر میں اشاعت کے لئے بھیج دیا جائے۔

سلیم اللہ خان خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

۱۷ رصفر ۱۴۳۸ھ ۱۸ رنومبر ۲۰۱۶ء